بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا
يُشْرِكُوْنَ ○ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ
اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ○ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ
تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

* اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا
(منکرو!) اللہ کا حکم آگیا (عذاب) سو تم اس کی جلدی نہ کرو۔ وہ پاک ہے اور بری ہے ان کے شریک ٹھہرانے سے * وہ اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے فرشتوں کو وحی دے کر بھیجتا ہے کہ (لوگوں کو) متنبہ کردو کہ میرے سوا اور کوئی (دوسرا) معبود نہیں پھر مجھ سے ہی ڈرا کرو * (لوگو!) اسی نے آسمانوں اور زمین کو حکمت سے بنایا پاک ہے ان کے شریک ٹھہرانے سے۔ (۱۶/۱ تا ۳ * ت: حقانی)

سورہ نحل مکیہ ہے مگر آخری آیات (۱۲۶ تا ۱۲۸) مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں اور اس میں اور بھی اقوال ہیں۔ اس سورت میں سولہ رکوع اور ایک سو اٹھائیس آیتیں اور دو ہزار آٹھ سو چالیس (۲۸۴۰) کلمے، سات ہزار سات سو سات (۷۷۰۷) حرف ہیں۔ (کنز)

۱۔ مروی ہے کہ کفار مکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطور استہزاء کہتے کہ عذاب الٰہی کب آئے گا۔ اور کہتے کہ عذاب آئے گا تو ہمیں ہمارے معبود (باطلہ یعنی اصنام وغیرہ) بچالیں گے تو یہ آیت اتری اتی آیا حکم الٰہی۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کے وقوع کے بارے میں عجلت مت کرو اس لئے کہ اس میں نہ تمہاری بھلائی ہے اور نہ نجات * کافروں کا عذاب کے لئے عجلت کا مطالبہ کرنا اگرچہ کہ استہزاء تھا لیکن بیان حقیقت پر محمول کیا گیا اور انہیں استہزاء سے روکا گیا۔ الاستعجال یعنی وقت سے پہلے کسی شے کا مطالبہ کرنا * اللہ تعالیٰ پاک ہے اور برتر ہے یعنی اس کی ذات منزہ اور مقدس ہے اس سے کہ اس کا کوئی شریک بنایا جائے۔ تاکہ اس کا شریک کافروں کو اللہ کے عذاب سے بچائے * اللہ تعالیٰ ذاتاً منزہ اور صفاتاً متعالی ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں جو اس جیسا کام کرے۔ اس کے کوئی مشابہ نہیں جو اس کا بدل کیا جا سکے۔ (روح البیان۔ ت)

۲۔ روح سے مراد وحی ہے جس طرح روح سے ہر چیز کی زندگی ہے اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ وحی الٰہی حیات بخش ہے زندہ ہونے کو تو لوگ نزول قرآن سے پہلے بھی زندہ تھے لیکن اس روح پاک کے نزول کے بعد حجاز کے صحراؤں میں جس حسن وجمیل زندگی کے چمنستان آباد ہوئے اس سے تو دنیا کی آنکھیں آشنا نہ تھیں * کفار کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو نبی بنا کر

بیٹھا ہی تھا تو بنی ہاشم یا عبد المطلب کے پوتے کے علاوہ اور کوئی نظر نہ آیا؟ کسی شخص اعظم کو نبی بنایا جاتا تو لوگ اس کی باتوں کو دھیان سے سنتے اور اس کا کہا مانتے۔ ان کے اعتراض کو مسترد کرنے کے لئے فرمایا کہ نبی کے انتخاب کے لئے تمہارا مقرر کیا ہوا معیار غلط ہے۔ نبی تو وہ بنتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ خود نبی بنانا چاہتا ہے۔ جسے وہ ان قوتوں اور استعدادوں سے مالا مال کر کے پیدا کرتا ہے جو بارِ نبوت اٹھانے کے لئے ضروری ہیں۔ نبی آکر اپنے لئے جاگیریں نہیں بناتے اور وہ اپنے لئے ناحق برتری کے دعوے نہیں کرتا۔ اس کی بعثت کا ایک ہی مقصد ہوا کرتا ہے کہ وہ لوگوں کو اس حقیقت سے خبردار کرے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبود نہیں۔ وہی ایک خدا ہے اور انسان کو اسی کی عبادت و اطاعت کرنی چاہئے اور اس کی نافرمانی اور حکم عدولی سے ڈرنا چاہئے۔ (ضیاء القرآن)

۳۔ "اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا یعنی ایک خاص مقدار، خاص شکل و وضع اور صفات مختلفہ میں پیدا فرمایا۔ یہ سب کچھ صانع قدیم، واحد، قدیر اور حکیم اللہ تعالیٰ کی عظمت وجود کا اعلان کر رہا ہے ✶ زمین و آسمان کی ہر چیز سے وہ بلند و بالا ہے اپنے وجود میں کسی احتیاج سے بلند و منزہ ہے پاک و بے نیاز ہے۔ (تفسیر مظہری تسہیل)

● اللہ بالا ہے ان کے شرک سے یعنی زمین و آسمان میں سے کسی کو اللہ کا شریک قرار دیا جاتا ہے اس سے اللہ بزرگ و برتر ہے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ برتر ہے اس بات سے کہ وہ اپنی ہستی یا بقاء ہستی میں زمین و آسمان میں سے کسی چیز کا محتاج ہو۔ زمین و آسمان کو تو خود اپنی تخلیق میں بھی قدرت نہیں ہے۔ (الفیات۔ ت: ع)

لغوی اشارے ✶ النَّحْل: اسم جنس۔ شہد کی مکھی اور مکھیاں۔ نَحْلٌ عطیہ بخشش بلا عوض دیا جانا۔ نِحْلَۃٌ اور نُحْلَۃٌ۔ بلا طلب، بے معاوضہ خوش دلی سے عورت کا مہر ادا کرنا، ظاہر کرنا، دعویٰ کرنا، مہر مقرر کرنا۔ نُحْلٌ عطیہ۔ مہر۔ نُحْلَانٌ۔ عطا کردہ مال۔ نَحْلَۃٌ اور نَحْلٌ مصدر (باب فتح) عطا کرنا۔ بخشش کرنا۔ نُحُوْلٌ مصدر (کرم سمع نصر) دبلا ہو جانا۔ اِنْتِحَالٌ سرقہ شعری پرائی چیز کو اپنا لینا۔ کسی مذہب کا پابند ہو جانا۔ تَنَحُّلٌ بھی سرقہ شعر کو کہتے ہیں۔
● امام راغب نے لکھا ہے کہ نَحْلٌ نُحْلٌ نِحْلَۃٌ نُحْلَۃٌ وغیرہ کا اصل ماخذ نَحْلٌ (شہد کی مکھی) ہے ● تَسْتَعْجِلُوْہُ۔ تم اس کی جلدی کرو۔ تم اس کی عجلت کرو۔ تَسْتَعْجِلُوْا، اِسْتِعْجَالٌ سے، مضارع کا صیغہ، جمع مذکر حاضر ہ ضمیر واحد مذکر غائب ● سُبْحَانَ: پاک ہے ● اَمْر: کام، معاملہ، حالت، حکم۔ امر کا لفظ تمام اقوال و افعال کے لئے عام ہے چنانچہ آیت شریف ... وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ ..... (اور اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سارے کام) وغیرہ میں امر اپنے اسی عمومی معنی میں مستعمل ہے۔ جب امر حکم کے معنی میں آئے تو یہ ضروری نہیں

کہ وہ بصیغۂ امر ہی ہو بلکہ خواہ بصیغۂ امر ہو خواہ بلفظ خبر یا بطریق اشارہ و کنایہ ہو سب امر کے معنی میں داخل ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہ وسلامہ نے اپنے مقدس صاحبزادے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے دیکھا۔ چونکہ نبی کا خواب سچا ہوتا ہے معلوم ہوا فرزند کی قربانی کا حکم ہے۔ اسی لئے قرآن نے جب اس واقعہ کو بیان کیا تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی زبانی اس کو امر قرار دیا چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب کا واقعہ اپنے چہیتے صاحبزادہ کو سنا کر ان سے اس بارے میں رائے طلب کرتے ہیں تو حضرت ذبیح اللہ کی زبان سے ارشاد ہوتا ہے "یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ یعنی ابا جان! آپ کیجئے جس کا آپ کو حکم ہوا ہے"۔ آیت شریفہ میں خواب کے غیبی اشارہ کو امر کہا گیا ہے۔ آیت "اَتٰی اَمْرُ اللّٰہِ یعنی آپہنچا حکم اللہ کا" میں امر سے قیامت کی طرف اشارہ ہے (لغات القرآن)

معلومات مزید ✯ یہاں قرب قیامت کی خبر تحقیق اور یقینی وقوع کی دلالت کے ساتھ دی جا رہی ہے۔ کفار نے عذاب کے لئے جلد بازی کا مظاہرہ کیا یہ ان کا مطالبہ قبل از وقت تھا اور تکذیب و محال سمجھنے کے مقصد سے تھا سورہ شوریٰ میں لکھا ہے کہ "جلدی مچاتے ہیں اس کے لئے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے" (آیت ۱۸) علامہ رازیؒ نے اس کے تحت لکھا ہے کہ "وہ لوگ جو (عذاب الٰہی اور) قیامت پر یقین نہیں رکھتے وہ تو اس کے جلد برپا ہونے کے لئے بے تاب ہیں اور از راہ مذاق کہتے ہیں کہ قیامت جلد برپا ہو جائے تاکہ ہمارا یہ باہمی جھگڑا ختم ہو جائے اور سب کو پتہ چل جائے کہ حق پر کون ہے ہم یا اس نئے دین کا پرچار کرنے والے۔ قیامت کے لئے کفار کی یہ عجلت اس لئے نہ تھی کہ وہ واقعی اس کے منتظر تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ وہ فیصلہ کن گھڑی آجائے بلکہ ان کا یہ کہنا محض از راہ مذاق تھا۔ (اس کے برخلاف) جن لوگوں (یعنی اہل ایمان) کو قیامت کی آمد کا یقین ہے وہ تو اس کے تصور ہی سے کانپ اٹھتے ہیں"۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے قریب مغرب کی جانب سے ڈھال جیسا ایک سیاہ بادل نمودار ہوگا وہ آسمان کی طرف بلند ہوتا جائے گا۔ پھر اس میں سے ایک منادی ندا دے گا: اے لوگو! لوگ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے: کیا تم نے سنا۔ لیکن ہاں میں جواب دیں گے لیکن شک کا اظہار کریں گے۔ پھر دوبارہ آواز آئے گی: اے لوگو! اور ایک دوسرے سے کہیں گے۔ کیا تم نے سنا۔ کہیں گے ہاں۔ پھر تیسری بار ندا آئے گی: اے لوگو! اللہ کا حکم آپہنچا اس کی جلدی مچاؤ۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! دو آدمی (وقوع قیامت) کے وقت کپڑا پھیلائے ہوئے لیکن لپیٹ نہ پائیں گے۔ ایک آدمی اپنے حوض کو درست کر رہا ہوگا لیکن پانی نہیں پلا سکے گا اور ایک آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ دوہنے میں مصروف ہوگا لیکن اسے پی نہیں سکے گا تمام لوگ مشغول ہو جائیں گے۔ (صحیحین)

(س م ح ش)

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝ وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ
فِيهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ
وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝

اسی نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا مگر وہ تو کھلم کھلا مقابلہ پر آگیا ★ اور
چوپائے بھی اسی نے بنائے ان میں تمہارے لئے گرم لباس بھی ہے اور (اور بھی) فائدے
ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو ★ اور ان کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جب کہ (ان کو)
شام کے وقت (گھر) لاتے ہو اور جب کہ (انہیں) صبح کے وقت (چرنے) چھوڑ دیتے ہو۔
(۱۶/۴ تا ۶ ★ ت : م)

۴۔ خلق الانسان اس سے صرف اولاد آدم مراد ہے اس لئے کہ خود (حضرت) آدم (علیہ السلام) تو تراب
اور بی بی حوا (علیہا السلام) ان کی دائیں پسلی سے پیدا ہوئیں۔ ان کی تخلیق نطفہ سے نہیں ہوئی
اسی لئے یہاں صرف وہ اولاد مراد ہوگی جو نطفہ سے پیدا ہوئی ہے مِنْ نُّطْفَةٍ ۔ نطفہ سے مرد
کا پانی مراد ہوتا ہے (کذا فی القاموس) اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسے پانی سے
پیدا فرمایا جو جماد محض تھا یعنی حس و حرکت اور فہم و سمجھ سے فارغ جس کی نہ کوئی وضع
تھی نہ شکل لیکن اس کے بعد عقل و فہم سے نوازا گیا فَإِذَا هُوَ پھر تخلیق کے بعد۔ یہاں
پر فاء لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان تخلیق کے فوراً بعد ہی نسیان کے مرض کا
شکار ہوگیا خَصِيمٌ بمعنی بہت جھگڑالو۔ مُبِينٌ اپنی دلیل کو ظاہر کرنے والا یا جھگڑے
کرنے میں ایسا ظاہر ہو کہ جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں یعنی اپنے مطلب کے تحت ایسا
مناظرہ مجادلہ کہ جس طرح میں پڑے اپنے مقصد و مطلب کو دلائل (حقہ یا باطلہ) سے ثابت
کر دکھلائے۔ تکملہ میں مرقوم ہے کہ آیت میں عموم ہے یعنی انسان فطرۃً ایسے ہی ہے۔ (روح البیان)
۵۔ وَالْأَنْعَامَ سے مراد اونٹ، گائے اور بکریاں (وغیرہ) ہیں۔ قاموس میں ہے "دف"
سخت سردی کی ضد ہے یعنی تم ان کی اون کے بنے ہوئے لباسوں سے گرمی حاصل کرتے ہو
اور ان کی اون سے لباس اور لحاف بناتے ہو۔ ان جانوروں میں تمہارے لئے دیگر فوائد بھی
ہیں۔ افزائش نسل، دودھ، بار برداری، کھیتی باڑی اور بیع و شراء وغیرہ۔ اور ان
جانوروں میں سے جو کھایا جاتا ہے وہ تم کھاتے ہو مثلاً گوشت، چربی اور دودھ وغیرہ۔ ظرف
کا تقدیم آیات کے ملانے کے لئے ہے یا اس لئے کہ عام طور پر مذکورہ جانوروں کا گوشت وغیرہ

استعمال ہوتا ہے اور معاش میں انہی جانوروں پر گزارا کیا جاتا ہے۔ بخلاف دوسرے ماکول جانوروں کے
کیونکہ دوسرے جانور یا تو تلذذ یا دوا کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ (مظہری۔ ت: منام)
۶۔ علاوہ ازیں تمہارے لئے ان جانوروں میں زیب و زینت بھی ہے۔۔ شام کے وقت جب وہ چرا کر باہر
سے واپس آتے ہیں تو ان کی کوکھیں نکلی ہوتی ہیں۔ تھن دودھ سے بھرے ہوتے ہیں اور کوہانیں بلند
ہوتی ہیں اور اسی طرح جب انہیں چرانے کے لئے تم صبح کے وقت باہر لے جاتے ہو۔ صبح و شام کے
اوقات میں یہ جانور کس قدر بھلے لگتے ہیں اور خوشی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ سورۃ المومنون میں
بھی آیا ہے کہ "اور بیشک تمہارے لئے جانوروں میں بھی غور و فکر کا مقام ہے ہم پلاتے ہیں تمہیں
اس (دودھ) سے جو ان کے شکموں میں ہے اور تمہارے لئے ان میں طرح طرح کے بہت
فائدے ہیں اور بعض (کے گوشت) سے تم کھاتے ہو۔ (ابن کثیر۔ ت)

لغوی اشارے ✱ نُطْفَةٌ : اسم مفرد۔ صاف پانی مراد نطفہ انسان نطفہ۔ جمع ● خَصِيمٌ :
سخت جھگڑنے والا۔ خصمٌ سے بروزن فَعِيلٌ مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی کثیر المخاصمت ● اَنْعَامٌ :
مویشی۔ بھیڑ، بکری، گائے، بھینس اور اونٹ۔ مویشی کو اس وقت تک انعام نہیں کہا جاتا
جب تک ان میں اونٹ داخل نہ ہوں۔ نعمٌ کی جمع ہے جس کے معنی اصل میں تو اونٹ کے ہیں
مگر بھیڑ، بکری، گائے اور بھینس پر بھی بولا جاتا ہے چونکہ اونٹ عرب کے نزدیک بہت
بڑی نعمت ہے اس لئے اس کا نام نعمٌ ہوا ● دِفْءٌ : جاڑے کی پوشاک، گرمی کا اسباب
جڑاول۔ اَدْفَاءٌ جمع ● جَمَالٌ : رونق، جمال، آبرو، خوبی کا ہونا مصدر ہے، حسن کثیر
یعنی بہت خوبی کو جمال کہتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہ خوبی جو انسان کی ذات یا
اس کے بدن یا اس کے فعل سے مخصوص ہو۔ (۲) وہ خوبی جو اس سے دوسرے کو پہنچے۔
چنانچہ حدیث شریف میں جو وارد ہے ان اللہ جمیلٌ و یحب الجمال (بے شک اللہ تعالیٰ
خوبصورت والا ہے اور خوبی کو دوست رکھتا ہے۔) اس میں اسی بات کو بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ
ہی سے ساری خوبیاں جاری ہوتی ہیں اس لئے خوبیوں سے متصف ہونا اللہ تعالیٰ کا محبوب
ہوتا ہے ● حِيْنٌ : وقت، زمانہ، مدت۔ اَحْيَانٌ جمع "حین" کسی شے کے بلوغ اور
حصول کے وقت کا نام ہے۔ اس کے معنی میں جو ابہام ہے مضاف الیہ سے اس کی تخصیص
ہو جاتی ہے۔ اس کا استعمال متعدد معنی کے لئے ہوتا ہے (۱) مدت کے لئے (۲) برس اور
سال کے لئے (۳) گھڑی (۴) زمانِ مطلق یعنی کوئی وقت ● تُرِيْحُوْنَ : تم شام
کو چرا کر لاتے ہو۔ اِرَاحَةٌ سے جس کے معنی شام کو چرے چوپایوں کو اپنے اپنے ٹھکانے لے
جانے کے ہیں۔ مضارع کا صیغہ۔ جمع مذکر حاضر ● تَسْرَحُوْنَ : نکال دینا، رخصت کرنا،

چھوڑ دینا، روانہ کرنا۔ بروزن تفعیل مصدر ہے۔ سَرَحَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی اصل میں تو
مویشی کو درخت سرح (ثمردار درخت) کے چرانے کے ہیں پھر معنی میں تعمیم کر لی گئی اور چراگاہ پر
بھیجنے کے لئے سرح کا استعمال ہونے لگا۔ اور چرواہے کو سارح کہنے لگے۔ (لغات القرآن)

معلومات مزید ★ آیت "خلق الانسان ...." کا نزول ابی بن خلف جمحی کے متعلق ہوا۔ ابی
خلف منکر قیامت تھا ایک روز وہ ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور بولا۔ کیا آپ کہتے ہیں کہ خدا
اس کو زندہ کرے گا۔ یہ تو بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو گئی (یہ کیسے زندہ ہوگی) تب آیت اتری ★
انسان جسے خالق کائنات نے اپنے فضل و کرم سے عزت و شرف بخشا، نطق و شعور کی نعمتوں
سے مالا مال کر کے تمام مخلوقات سے اشرف و افضل بنایا جیسے حسن و جمال، قوت و طاقت،
فکر و نظر اور کمالات خاص سے نواز کر رعب و دبدبہ ایسا دیا کہ کائنات کی جملہ چیزیں
اس کی ہیبت کے زیر اثر نظر آتی ہیں خشکی کا شیر ہو یا آبادیوں میں رہنے والے جانور سب انسان سے ڈرتے
ہیں انسان کی صلاحیتوں کا موجودات عالم کو اعتراف ہے اور ثابت ہے۔ جس کی حکیمانہ تدابیر
کے سامنے خود کو بے بس پاتے ہیں اور مسخر نظر آتے ہیں۔ اگر یہ باکمال اپنی اصل و اساس پر غور و خوض و تدبر
کرے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وہ تو محض پانی کی ایک بوند ہے جسے خالق حقیقی نے اپنے
کرم سے بے حد و بے حساب صلاحیتوں سے بہرہ مند کیا۔ لہٰذا انسان [۴] ہر لحظہ عبادت الٰہی اور شکر حق [۴] کو چاہیئے کہ
بجا لاتا رہے ★ ونیز اس بات کو بھی سوچے کہ انعام کے بارے میں اطراف کتنی روشنیاں پیدا ونیز
اب تک بے کتنی فوائد اور راحت و آسائش پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ نے جانوروں میں سے ہر ایک کو اس کے مناسب
حال بنایا۔ اور انسان کو جس قدر فائدے پہنچتے ہیں اس پر بھی غور و خوض کرے۔ اون سے
سردی دفع کرنے والے ملبوسات بنتے ہیں اور ان جانوروں میں سے چند کا گوشت کھایا جاتا اور
دودھ پیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سارے فائدے بھی ہیں ★ جانوروں کو شام کے وقت چراگاہوں
سے گھروں کی طرف لانا اور صبح کے وقت گھروں سے چراگاہوں کی طرف لے جانا بہت ہی دلفریب ہوتا ہے
جانوروں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ آتے جاتے وقت شور مچاتے ہیں جس سے مالکوں کو بڑی خوشی محسوس ہوتی ہے
بلکہ وہ اسے اپنے لئے سبب عزت و اکرام سمجھتے ہیں عوام کی نظروں میں وہ معزز و محترم اور مالدار ہوتے ہیں
(س م ح ش)

وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ
لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً ؕ وَ يَخْلُقُ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ
اَجْمَعِيْنَ ۝

اور وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں ایسے شہر کی طرف کہ اس تک نہ پہنچتے مگر ادھ مرے ہو کر۔ بے شک تمہارا رب نہایت مہربان رحم والا ہے * اور گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لئے اور وہ پیدا کرے گا جس کی تمہیں خبر نہیں * اور بیچ کی راہ ٹھیک اللہ تک ہے اور کوئی راہ ٹیڑھی ہے اور چاہتا تو تم سب کو راہ پر لاتا۔

(۱۶/ ۷ تا ۹ * ت: کنز)

۷۔ مسافر کا مال و متاع اور اس کے خدام و حشم یعنی وہ جانور تمہارے مال و متاع اور اسباب کا بوجھ اٹھاتے ہیں دوسرے شہروں کی طرف خواہ وہ کتنے ہی دور ہوں اس میں اہل مکہ کا یمن و شام کی طرف تجارت کے لئے آنا جانا بھی داخل ہے۔ جہاں تم خالی ہاتھ بھی نہیں پہنچ سکتے تھے یعنی اگر تم اونٹوں پر سوار ہو کر نہ جاتے تو تم وہاں ہرگز نہ پہنچ سکتے تھے یا یہ کہ بفرض محال اگر اونٹ پیدا نہ کئے جاتے تو تم ان شہروں تک نہ پہنچ سکتے مگر کلفت و مشقت (اٹھا کر) بے شک تمہارا رب تمہارے لئے بہت مہربان ہے اور تمہیں بڑے بڑے انعامات سے نوازتا ہے یہ بھی اس کے رحم و کرم کی ایک علامت ہے کہ اس نے تمہارے لئے جانور پیدا فرمائے تاکہ ان سے نفع پاؤ اور اپنے امور میں سہولت حاصل کر سکو * حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ کسی غزوہ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں بعض صحابہ کرام نے پرندے کے بچے اٹھا کر گود میں چھپا لئے وہ پرندہ بچوں کو حاصل کرنے کے لئے اڑ کر ان لوگوں کے ہاتھوں میں گرتا جنھوں نے اس کے بچے اٹھائے تھے۔ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے صورت حال دیکھ کر فرمایا کہ تم پرندے کا حال دیکھ رہے ہو کہ وہ بچے کی وجہ سے کیسے جتن کر رہا ہے۔ بخدا میرا رب اپنے بندوں پر اس پرندے سے کہیں زیادہ رحیم ہے (روح البیان۔ ت)

۸۔ اور اس نے پیدا کئے گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور یہ تمہارے لئے آرائش و زینت ہے اور پیدا فرمائے گا ایسی سواریوں کو جو تم نہیں جانتے یعنی تم نے دیکھا نہیں تھا اور تمہارے آرام و آسائش کے لئے اللہ تعالیٰ نے بے شمار چیزیں پیدا کی ہیں ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جن کو تم جانتے ہو

اور بعض ایسی بھی ہیں جن کی تمہیں خبر تک نہیں۔ ہم ان کا نام بھی نہیں جانتے اور نہ زبان ایزاں وہ شب و روز تمہاری خدمت میں مصروف ہیں۔ اس آیتِ مبارکہ سے نقل و حرکت کے وہ ذرائع بھی مراد لئے جا سکتے ہیں جو نزولِ قرآن کے وقت موجود نہ تھے لیکن بعد میں ایجاد ہوئے یا جو قیامت تک ایجاد ہوتے رہیں گے یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی تخلیق ہے۔ موٹر، ریل، بحری جہاز، طیارے اور راکٹ اور خدا معلوم ابھی اور کیا کیا بننے والے ہیں، یہ سب اسی کی صنعت رأفت و رحمت کے مظاہر ہیں۔ (ضیاء القرآن)

۹۔ حیوانات کے ذکر سے حسی راہوں کے بعد دینی معنوی راستوں پر اشارہ کیا جا رہا ہے۔ قرآن کریم اکثر امور حسیہ سے نافع معنوی اور دینیہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ان حیوانات کا ذکر کیا جو سواری، نقل و حمل اور دیگر ضروریات کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو ان کے ذکر کے بعد ان رستوں کا ذکر کیا جن پر لوگ گامزن ہیں اور یہ واضح کر دیا کہ ان میں صحیح اور حق راستہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچاتا ہے۔ مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ طریقِ حق کو واضح کرنا اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔ سدیؒ "قصد السبیل" سے مراد اسلام لیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کرتا ہے یعنی ہدایت اور گمراہی کو وہی بیان کرتا ہے۔ قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ سیاق کے پیشِ نظر مجاہد کا قول زیادہ قوی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ متعدد رستے ہیں جن پر لوگ چلتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف صرف طریقِ حق ہی پہنچاتا ہے اور یہ وہ رستہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اور اس پر راضی ہوا۔ اس کے علاوہ باقی تمام راستے مسدود اور باطل ہیں اور ان پر چلنے والے لوگوں کے اعمال مردود ہیں۔ ابن عباس وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ مختلف رستے، متفرق خواہشات اور متعدد آراء پر مبنی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سب چیزیں اسی کی قدرت اور مشیت پر موقوف ہیں۔ (ابن کثیر - ت: منم)

لغوی اشارے ✱ **تَحْمِلُ**: تو لادے، تو بوجھ ڈالے (ضَرَبَ) حَمْلٌ سے مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر، حَمْلٌ کے معنی ایک ہی ہیں بوجھ لادنا، بوجھ اٹھانا مگر چونکہ اس کا استعمال بہت سی اشیاء کے متعلق ہوتا ہے اس لئے گو صیغہ فعل یکساں رہتا ہے مگر مصادر میں فرق ہو جاتا ہے چنانچہ جو بوجھ کہ ظاہر میں اٹھائے جاتے ہیں جیسے وہ چیزیں کہ جو پیٹھ پر لادی جاتی ہیں حِمْلٌ (بالکسر) آتا ہے اور جو بوجھ کہ باطن میں اٹھائے جاتے ہیں جیسے پیٹ میں بچہ، ابر میں پانی اور درخت میں پھل ان کے لئے حَمْلٌ (بالفتح) کا استعمال ہوتا ہے ● **اَثْقَالَكُمْ**: تمہارے بوجھ۔ اثقال مضاف کُم ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ ● **بَالِغِيْهِ**: اس تک پہنچنے والے۔ بالغی مضاف ہ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ۔ بالغی دراصل بالغین تھا بُلُوغٌ سے۔ اسم فاعل کا صیغہ بحالت نصب وجر، نونِ جمع بسبب اضافت حذف ہو گیا ● **خَيْل**: گھوڑے، سوار، اصل میں

خَیل گھوڑوں کا نام ہے۔ مجازاً سواروں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ خُیُول اور اَخیَال جمع ●
بِغَال: خچر، بَغْل کی جمع ● حَمِیر: گدھے، حمار کی جمع ہے ● تَرْکَبُوْهَا: تم اس پر سوار ہو، تم
اس پر سواری کرو۔ ترکبو صیغہ مضارع ھا ضمیر واحد مؤنث غائب ● جَآئِرٌ: کج، ٹیڑھا، جور
سے جس کے معنی راہ سے ہٹنے اور کج ہونے کے ہیں اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ● سَبِیْل: راستہ، راہ،
"سبیل" اصل میں اس راہ کو کہتے ہیں جو واضح ہو اور اس میں سہولت ہو۔ امام راغب لکھتے ہیں "سبیل"
کا استعمال ہر اس شے کے لئے ہوتا ہے جس کے ذریعہ کسی شے تک پہنچا جا سکے خواہ وہ شے شر ہو یا خیر
نیز واضح راستہ کو بھی اس سے مراد لیا جاتا ہے۔ یہ لفظ مذکر بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث بھی،
ابن الاثیر نے کہا ہے کہ اس کی تانیث زیادہ غالب ہے (النہایہ فی غریب الحدیث والاثر) سورہ
اعراف کی آیت ۱۴۶ میں سبیل کی تذکیر آئی ہے اور تانیث کی شہادت سورہ یوسف کی آیت ۱۰۸ میں
موجود ہے ● قَصْدُ: اسم مصدر اور مصدر۔ راستے کا سیدھا ہونا۔ مراد سیدھا راستہ جس میں کوئی
پیچ و خم نہ ہو۔ اسی کو صراط مستقیم کہا گیا ہے اقتصاد: میانہ روی، خرچ کرنے میں اعتدال نہ اسراف
نہ بخل، نیکی اور بدی میں توسط نہ بالکل نیک نہ بدترین گنہ گار۔ (لغات القرآن)

مفہومات مزید ✶ مذکورہ آیات میں سے ایک آیت شریفہ میں لفظ "زینۃ" آیا ہے۔ جس کے معنی آرائش، سنگھار
تنہا اور زینت و زیبائش ہیں۔ امام راغب رقمطراز ہیں کہ زینت حقیقی وہ ہے جو انسان کو کسی حالت میں بھی معیوب
نہ ہو دنیا میں نہ آخرت میں لیکن جو چیز ایک حالت میں تو انسان کو رونق دے اور دوسری حالت میں بُری
وہ ایک حیثیت سے معیوب ہے (ل ق) محققین نے زینت کی تین قسموں کا بطور خاص ذکر کیا ہے
۱۔ زینت نفسی جیسے علم و عمدہ عقائد ۔ ۲۔ زینت بدنی جیسے قوی اور بلند و بالا ہونا۔ ۳۔
زینت خارجیہ جیسے مال و دولت جاہ و حشمت۔ زینت نفسی سے متعلق ارشاد ہے "... لیکن اللہ نے
تم میں ایمان پیدا کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا ... (۷/۴۹) اسی طرح یہ فرمان
زینت خارجی پر محمول کیا گیا ہے کہ "تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے
نکالی اور پاک رزق .... (۷/۳۲) مروی ہے کہ ایک قوم بیت اللہ کا برہنہ طواف کیا کرتی تھی
اس آیت کے ذریعہ ان لوگوں کو منع کیا گیا ہے ✶ اللہ تعالیٰ کا اشیاء کو زینت دنیا کہنا ان کے
مزین کرنے ابداع فرمانے اور اسی طرح پر ان کے ایجاد کرنے سے ہوتا ہے اور لوگوں کا کسی چیز کو
مزین کرنا یا تو آراستہ کرنے سے ہوتا ہے اور یا ان کے قول سے کہ اس کی مدح کرنے لگیں اور
خوب تعریف کرکے اس کا ذکر کریں۔ (بحوالہ ایضاً)

(س م ح ش)

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝
يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی تمہارے لئے اس میں سے کچھ پینے کے کام آتا ہے اور اس سے سبزہ اُگتا ہے جس میں تم (مویشی) چراتے ہو ✱ اگاتا ہے تمہارے لئے اس کے ذریعہ (طرح طرح کی) کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور (ان کے علاوہ) ہر قسم کے پھل۔ یقیناً ان تمام چیزوں میں (قدرت الٰہی کی) نشانی ہے اس قوم کے لئے جو غور و فکر کرتی ہے ✱ اور اللہ تعالیٰ نے مسخر فرما دیا تمہارے لئے رات اور دن، سورج اور چاند کو اور تمام ستارے بھی اس کے حکم کے پابند ہیں۔ بے شک ان تمام چیزوں میں (قدرت الٰہی کی) نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو دانش مند ہے (۱۶/۱۰ تا ۱۲ ✱ ت: ضیاء)

۱۰۔ وہ جس نے اپنی قدرت کاملہ سے نازل فرمایا بادل سے زمین کی طرف پانی کی قسم یعنی بارش۔ آسمان سے کل پانی نازل نہیں ہوتا بلکہ بعض نازل ہوتا ہے اس نازل کردہ پانی سے تمہارے لئے ہے وہ پانی جسے تم پیتے ہو۔ اسی سے اور اس کے سبب درخت پیدا ہوتے ہیں جسے تم جانوروں کے لئے گھاس کے طور پر استعمال کرتے ہو۔ اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو زمین سے اُگتی ہیں (ف) لوگ تین چیزوں میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ پانی، گھاس اور آگ (حدیث شریف) یعنی ہر وہ خشک و تر گھاس جو جانوروں کے چارے کے کام آتا ہے۔ آگ جلانے اور اس کی روشنی میں سب برابر کے شریک ہیں "نہ اتنا رہے گا" جو کسی نے اپنی محنت سے تیار رکھے۔ اسی طرح پانی سے نہروں چشموں اور کنوؤں کا پانی مراد ہے "نہ وہ کہ" جو کسی نے محنت کر کے اپنے برتنوں میں لے رکھا ہو ✱ درختوں سے تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو اور وہ چارہ تمہیں آسانی سے بلا تکلف حاصل ہوتا ہے ✱ اس کے بعد پانی کے دوسرے فوائد بتائے جاتے ہیں (روح البیان: ت)

۱۱۔ ان چیزوں (یعنی زیتون اور کھجور اور انگور اور ان کے علاوہ ہر قسم کے پھل) کے پیدا کرنے سے صرف تمہاری غذائی ضرورتوں کی تکمیل ہی مطلوب نہیں ورنہ کوئی ایک جنس ہی پیدا کر دی جاتی اور اس سے تمہاری شکم سیری ہوتی رہتی طرح طرح کے اناج اور نو بنو پھل پیدا فرما کر جہاں اپنی قدرت کی نیرنگیوں کی نقاب کشائی کی ہے وہاں تمہارے ذوق لطیف کی بھی ناز برداریاں کی گئی ہیں۔ گندم کی روٹی نہیں کھانا چاہتے تو چاول حاضر ہے نہیں تو باجرے کا پراٹھا۔ کھجوریں کھاؤ اور انگوروں سے جی بھر لیا

تو انگوروں کے خوشوں سے زمرد بھی موتی توڑ کر اپنی نشاط اور اپنے ذائقہ کی تسکین کیجئے۔ ہر دانہ جو ہر جمیل بھی غذائیت
کی مقدار اور ذرات کے دیگر مخصوص اثرات کا آپ جتنی گہری نظر سے مطالعہ کریں گے اتنا ہی اس کی قدرت کے
مستور جلوے (تماشاہائے فطرت) کرتے جائیں گے اور آپ کو کہنا پڑے گا کہ رنگ بھی وہی، بو بھی، ذائقہ بھی اور
اثر بھی یہ تنوع پیدا کرنا (یقیناً) علیم و خبیر ذات کبریا کی کرشمہ سازی ہے اسی لئے تو فرمایا اہل فکر کے لئے
ان میں ہماری قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ (ماخوذ ضیاء القرآن)

۱۲۔ سورج اور چاند اور تمام ستارے * ان اشیاء کو تمہارے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے درآں حالیکہ
یہ اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں۔ اسی نے ان کو پیدا فرمایا پھر ان کی خود تدبیر فرمائی جیسے چاہا۔ یا یہ معنی
یہ مسخر ہیں ان کے جن کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے * اسی کے حکم کے پابند ہیں۔ اس کی ایجاد اور تقدیر کے
ساتھ یا اس کے حکم کے ساتھ۔ اس آیت کریمہ میں ان حقیقت ناشناسوں کا جواب اور رد ہے جو کہتے
ہیں کہ نباتات کی تکوین میں موثر ستاروں کی حرکات و سکنات ہیں۔ اگر فرض کیا۔ ان کی بات تسلیم
کر بھی لی جائے تو اس میں شک نہیں کہ ستارے حادث ہیں اپنی ذات اور صفات کے لحاظ سے ممکن الوجود ہیں
بعض وجوہ محتملہ پر واقع ہیں تو ان کی اپنی تخلیق کے لئے کسی مخصص اور واجب الوجود مختار ذات کا
ہونا ضروری ہوتا تاکہ دور اور تسلسل لازم نہ آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اشیاء فلکیہ یا عنصریہ کی تاثیرات
عادیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ بعض اشیاء کو بعض اشیاء کے بعد پیدا فرماتا ہے۔ اس لئے
یہ غلط ہے کہ "حقیقتاً" ایجاد کی نسبت کسی ایسی ذات کی طرف کی جائے جو اپنی ذات کے اعتبار سے
معدوم ہے۔ جو چیز اپنی ذات میں معدوم ہے تو وہ دوسروں کو کیسے وجود عطا کر سکتی ہے * یہاں
آیات کو جمع اور عقل کو ذکر فرمایا کیونکہ ذوی العقول السلیمہ کے لئے ان میں ظاہری دلالت ہے
کسی غور و فکر کی حاجت نہیں جیسا کہ نباتات کے احوال میں غور و فکر کی ضرورت تھی۔ (مظہری۔ ت: مفہوم)

لغوی اشارے * مَآءً: "پانی"۔ قرآن مجید میں ماء کا لفظ صرف پانی کے لئے مستعمل ہوا ہے کسی دوسرے
معنی میں مستعمل نہیں ہوا نہ اس کا کوئی مشتق استعمال کیا گیا۔ ● شَجَرٌ: درخت۔ اشجارٌ جمع ●
یُنْۢبِتُ: واحد مذکر غائب مضارع معروف مثبت انباتٌ مصدر (افعال) وہ اگاتا ہے ● زَرْعٌ:
کھیتی، کھیتی کرنا، اگانا، (فتح) زَرَعَ یَزْرَعُ کا مصدر ہے، امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: زرع
کے معنی اگانے کے ہیں اور اس کی حقیقت امور الٰہیہ کے ذریعہ ظہور پذیر ہوتی ہے، امور بشریہ کے ذریعہ نہیں
"تو بھلا بتاؤ تو جو تم بوتے ہو۔ کیا تم اس کی کھیتی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں" (۵۶/۶۳ تا ۶۴)
پس بونے کو ان کی طرف منسوب کیا اور اگانے کی ان سے نفی کر کے اس کو اپنی ذات کی طرف نسبت
دی اور جب بندے کی طرف اس کو نسبت دی جاتی ہے تو اس بنا پر کہ بندہ ان اسباب کو سرانجام
دیتا ہے جو اگانے کا سبب ہیں جیسا کہ جب تم کسی چیز کے آنے کا باعث ہو تو کہتے ہو میں نے یہ اگایا ہے ●

سَخَّرَ : اس نے کام میں لگا دیا، اس نے بس میں کر دیا۔ تسخیر سے جس کے معنی بس میں کر لینا اور زبردستی کسی
خاص کام میں لگا دینے کے ہیں۔ ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ (لغات القرآن)

مفہومات مزید ★ قبل ازیں جانوروں اور چوپایوں کا ذکر فرمایا گیا جو نعمتوں میں سے ہیں۔ اس کے بعد
بارش کی نعمت مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بے حد و شمار نعمتوں میں سے جو اپنی مخلوقات کے لئے مخصوص
کیں، بیان میں سے (ایک) نعمت باراں ہے جس پر انسان، حیوان اور نباتات کی حیات کا انحصار
رکھا۔ نعمت باراں سے ہی پینے کا شیریں، خوش ذائقہ، فرحت بخش اور صاف و شفاف پانی میسر
آتا ہے۔ سمندر کے پانی کو کڑوا، کسیلا اور نمکین نہیں بنایا بلکہ ستھرا اور پسندیدہ بنایا۔ بارش کے سبب زمین
میں سبزہ و چارہ اُگتا ہے۔ اور یہ جانوروں کی غذا بنتا ہے ★ حیوانات کی روزی کے بیان کے بعد بارش سے انسان
کی روزی کے لئے پیدا ہونے والے اناج کا تذکرہ فرمایا گیا کہ یہ سب سے زیادہ ضروری چیز ہے۔ بعد ازاں
نعمت ثمرات میں زیتون، کھجور اور انگور جیسے اعلیٰ میووں کا ذکر ہے۔ انسان اناج نہ پا سکے تو
صرف میووں پر بھی مہینوں گزارا کر سکتا ہے۔ یہ سب خالق حقیقی اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت، رحمت
اور عطا ہے وہی قادر مطلق، مختار حقیقی اور حکیم و علیم ہے ★ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اتنی ہیں کہ کوئی شمار
نہیں کر سکتا۔ ہر انسان اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی نعمت کا مرہونِ منت ہے (ت) اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات
کو اپنی گراں قدر نعمتوں سے سرفراز کیا ہے۔ اس نے تمہارے فوائد کے لئے (۱۲) رات دن کو مسخر کیا اور
ستارے بھی اس کے حکم کے تابع و فرمانبردار ہیں۔ ان تمام چیزوں کے مسخر کرنے میں بھی چند دلائل موجود ہیں
ان لوگوں کے لئے جو اس حقیقت سے کما حقہ واقف اور جاننے والے ہیں، اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان
تمام کو خالق کائنات ہی نے مسخر فرمایا ہے۔

(س م ح ش)

وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ۝
وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۚ
وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝
وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

اور جو زمین میں رنگ برنگ کی چیزیں تمہارے لئے پیدا کی ہیں (اللہ) اس میں بھی اس قوم کے لئے نشانیاں ہیں جو سمجھدار ہیں * اور وہی تو ہے کہ جس نے تمہارے بس میں دریا کر دیا تاکہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور (تاکہ) اس سے زیور (مونگا موتی) نکالو جس کو تم پہنتے ہو اور (اے مخاطب) تو اس میں جہاز دیکھتا ہے کہ پانی کو چیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور اس لئے بھی (دریا کو مسخر کیا) کہ تم اس کے فضل کو تلاش کرو اور اس لئے بھی کہ تم شکر کرو * اور (وہی تو ہے کہ جس نے) زمین پر پہاڑوں کے بوجھ ڈال دیے تاکہ تم کو لے کر نہ ڈگمگائے اور تمہارے لئے نہریں اور رستے بنا دیے تاکہ تم راہ پاؤ۔ (۱۶/۱۳ تا ۱۵* ت: حقانی)

وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ۝

اور علامتیں بھی بنائیں اور ستاروں سے بھی (لوگ) راہ پاتے رہتے ہیں۔ (۱۶/۱۶* ت: م)

۱۳۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پیدا فرمایا زمین میں حیوانات و نباتات درانحالیکہ ان کے رنگ مختلف قسم کے ہیں اس لئے کہ اکثر اختلاف رنگ کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے لئے مسخر فرمایا یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس میں پیدا فرمائے ہیں خواص و احوال و کیفیات یا ان کو مختلف الاصناف بنایا ہے تاکہ تم ہر صنف سے جا بجا نفع پاؤ۔ ان کی ہیئت مختلف ہے کہ کوئی سبز ہے کوئی سفید ہے کوئی سرخ ہے کوئی سیاہ وغیرہ۔ بے شک مذکورہ بالا تسخیر میں آیات ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ اس کی شان ہے کہ وہ وحدہ لاشریک لہ ہے ایسے لوگوں کے لئے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں اگرچہ ایسی قوم کو دلائل دینے کی ضرورت نہیں لیکن چونکہ انہیں خدشہ ہے کہ وہ آئندہ ان باتوں کو بھول جائیں اسی لئے ان کے لئے دلائل قائم کئے گئے تاکہ ہر وقت نصیحت حاصل کر سکیں (روح البیان: ۱۲/۵)

۱۴۔ اور اسی نے سمندر کو تمہارا خدمت گزار بنا دیا ہے یعنی ایسا بنایا ہے کہ تم اس سے طرح طرح کے فائدے حاصل کرتے ہو۔ اس میں جہاز اور کشتیاں چلاتے ہو مچھلیاں پکڑتے ہو اور موتی و مونگے حاصل کرتے ہو۔ اسی میں سے تازہ تازہ گوشت کھاؤ۔ تر و تازہ یعنی مچھلیاں۔ مچھلی میں ہر گوشت سے زیادہ رطوبت ہے۔ اسی لئے مچھلی کا گوشت بہت جلد خراب ہو جاتا ہے جیسا کہ (لعابیت کی وجہ سے) مچھلی کا گوشت آنتوں سے چپکا ہو جاتا ہے اس لئے اس کو کھانے کے بعد پیاس زیادہ لگتی ہے گوشت کی گرمی یا خشکی کی وجہ سے تشنگی نہیں

ہوتا۔ اللہ کی عجیب ملکوت ہے تلخ، نمکین اور غلیظ پانی سے ایسی تر و تازہ شیریں لطیف چیز اس نے پیدا کی۔ اور اسی میں سے (موتیوں کا) گہنا نکالو جس کو تم پہنتے ہو (یہاں مراد یہ ہے کہ تمہاری عورتیں یہ زیور پہنتی ہیں۔ "حِلْیَۃً" • بمعنی زیور۔ مراد موتی مونگا وغیرہ۔ * اور تم کشتیوں کو دیکھو کہ اسی میں پانی کو چیرتی چلی جارہی ہیں اور تاکہ تم خدا کی روزی دریاؤں اور زمین میں تلاش کرو یعنی جہازوں اور کشتیوں پر سوار ہو کر اللہ کے فضل یعنی وسیع رزق کو تلاش کرو اور تاکہ (ان چیزوں کو اپنا تابع دیکھ کر اور اپنے کام پر لگا ہوا پاکر) تم اللہ کا شکر کرو۔ جو تمام ملکیت آتی ہیں انہی کو اللہ نے تحصیل معاش کا ذریعہ بنایا یہ اس کا عظیم الشان احسان ہے جس کا شکر ادا کرنا لازم ہے اسی لئے آیت کے آخر میں تشکرون فرمایا۔ (تفسیر مظہری ـ ت جلد ۱)

۱۵۔ تمہارے اسباب معاش جنہیں حاصل ہو جاتے اور ان میں جنہیں کامیابی ہو اس طرف اشارہ ہے کہ ان اسباب سے مسبب الاسباب کی طرف ہدایت ہو عارف کو ہر نعمت میں اسی کا ید ہدایت دکھائی دیتا ہے۔ اب عنصر خاک یعنی زمین کے حالات سے استدلال فرماتا ہے کہ جس پر وہ کرہ بنی آدم غرور کرتے ہیں اور بعض تو سرے سے منکر خدا ہیں بعض اس کے ساتھ اور معبود قرار دیتے ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک آیت کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح خالی کشتی ادھر ادھر ہلا کرتی ہے اور جب اس میں کچھ بوجھ پتھر وغیرہ ڈال دیتے ہیں تو وہ اس کے دباؤ سے نہیں ہلتی یہی حال زمین کا تھا پھر جب اللہ نے اس پر پہاڑوں کا بوجھ ڈالا تو ہلنے سے رک گئی۔ خدا نے زمین پر رواسی بوجھ ڈالے یعنی اس کی طبیعت میں ثقل اور بھاری پن رکھا۔ (تفسیر حقانی)

۱۶۔ دن میں سفر کرتے ہوئے تم مختلف نشانات اور نہروں سے اپنا صحیح راستہ معلوم کرتے ہو اور جب رات کی تاریکی پھیل جاتی ہے اور کوئی علامت نظر نہیں آتی تو پھر آسمان کے ستارے تمہاری رہنمائی کرتے ہیں اور تمہیں اپنی منزل کا پتہ دیتے ہیں۔ ستاروں سے کس طرح رہنمائی ملتی ہے اس کا تو آپ ان لوگوں سے دریافت کریں جو لق و دق صحراؤں اور بیابان جنگلوں میں سفر کرتے ہیں یا جنہیں سمندروں میں سفر پر جانے کا اتفاق ہوا ہو (ضیاء)

لغویات ✶ ذَرَأَ : اس نے پیدا کیا، اس نے پھیلایا، اس نے بکھیرا۔ ذَرْءٌ سے جس کے معنی پیدا کرنے اور ظاہر کرنے اور پھیلانے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ • اَلْوَانُهٗ : اس کے رنگ۔ اس کی رنگتیں۔ اَلْوَانٌ مضاف ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ • سَخَّرَ : اس نے کام میں لگا دیا، اس نے بس میں کر دیا • بَحْر : دریا، سمندر۔ بحر اصل میں اس وسیع مقام کا نام ہے جہاں بہت کثرت سے پانی ہو اور اسی اعتبار سے سمندر کو بحر کہتے ہیں۔ سمندر میں دو چیزیں ہوتی ہیں کہ ایک پانی کی کثرت اور وسعت اور دوسرے نمکین کھاراپن۔ ان ہی دونوں معنوں کے لحاظ سے کبھی بحر کا استعمال کسی چیز کی زیادتی اور وسعت کے متعلق ہوتا ہے اور کبھی ملاحت اور نمکینی کے سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو لے کر سمندر کو پار کیا تھا وہ بحر (قلزم تھا) • لَحْم : اسم جنس منصوب مضاف لَحْمٌ اور لحم گوشت • حِلْيَة : حلیۃ بمعنی زیور • رواسی : بوجھ، پہاڑ۔ (لغات القرآن)

معلومات مزید ✱ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ جملہ مخلوقات، جملہ اشیاء، جملہ مظاہر سب ہی اس کی قدرت کی عظیم نشانیاں
جھلکتی ہیں اور یہ ساری نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مخصوص فرما دی ہیں۔ جناب جو ارشاد ہوا کہ
جو پیدا فرمایا تمہارے لئے زمین میں اسے تمہارے لئے مسخر کر دیا" الگ الگ روپ، وضع، کیفیت، رنگا رنگی اور
نقش و نگار و دلفریبی کی انتہا درجہ جمیل، پھول اور استعمال میں آنے والی چیزیں ان میں ہر ایک قدرت الٰہی
کی نشانی ہے یقیناً" ان لوگوں کے لئے جو نصیحت قبول کرتے ہیں ✱ اللہ تعالیٰ نے تلاطم خیز سمندر کو مسخر کر کے
انسان پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ سمندری سفر کو انسان کے لئے نہایت آسان بنا دیا اور اسے
اس کی خوراک کے لئے تازہ مچھلیاں فراہم فرمائیں۔ مچھلی زندہ ہو یا مردہ انسان کے لئے حلال ہے خواہ وہ
حالت حلت میں ہو یا حالت احرام میں۔ سمندر میں نہایت نفیس اور قیمتی جواہرات اور موتی پیدا
کر دیے جنہیں انسان بڑی آسانی سے نکال کر بطور زیور استعمال میں لاتا ہے۔ ایک اور بڑا
انعام یہ فرمایا کہ سمندر کو کشتیوں کے لئے تابع کر دیا۔ کشتیاں موجوں اور ہواؤں کو چیرتے ہوئے
محو سفر رہتی ہیں۔ کشتی سازی کی صنعت کا آغاز حضرت نوح علیہ السلام سے ہوا ✱ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس قدر
کثیر بے شمار ہیں کہ انسان انہیں کسی طرح شمار نہیں کر سکتا اور یہ انسان کی بس سے باہر ہے۔ ہر سانس
کسی نہ کسی نعمت سے مزین ہے ✱ زمین پیدا کی اور اسے مضبوطی سے جمانے اور لرزش و کسی طرف جھکاؤ
سے بچانے کے لئے بڑے طاقتور پہاڑ زمین پر نصب کر دیئے تاکہ اس کا توازن برقرار رہے۔ نہروں کا
وجود اور زمین اور دریا نیز منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے راستوں کا بنا دینا اسی خدا کا فضل و کرم ہے ✱
✱ وقت اک جگہ سے دوسری جگہ نقل مقام کرتے ہیں لہٰذا ان مسافروں کے لئے جو دور دراز سفر کیا کرتے ہیں ان کے لئے
جہاں دن کے وقت پہاڑ نشانی بنتے ہیں وہیں رات کے وقت خشکی و تری کے راستوں کے سمجھانے کے لئے ستارے
علامت بن جاتے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا اور دین ہے (س م ح ش)

اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ○ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

اچھا

تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس جیسا ہو جائے گا جو پیدا نہیں کر سکتا۔ تو کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے ✱ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو ان کا احاطہ نہ کر پاؤ گے بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔ (۱۶/۱۷ تا ۱۸ ✱ ت: م)

۱۷۔ کیا وہ ذات جس نے سب کچھ پیدا فرمایا اس کی مانند ہو سکتی ہے جس نے کچھ بھی نہیں بنایا۔ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ سے مراد اللہ تبارک وتعالیٰ ہے کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ سے مراد اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی پرستش کی جاتی ہے اس میں ایسا لفظ استعمال فرمایا جو ذوالعقول کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اس میں ذوالعقول کو غلبہ دیا گیا ہے اگرچہ معبودانِ باطل میں غیر ذوالعقول بھی تھے۔ یا اس سے مراد بت ہیں اور صیغہ ذوالعقول والا اس لئے استعمال فرمایا کیونکہ مشرک انہیں (خدا) کہتے تھے اور الٰہ کو اہلِ علم سے ہونا چاہئے۔ اس لئے زعم وخیال کے مطابق صیغہ استعمال کیا ہے یا مَنْ یَّخْلُقُ کے مقابلہ میں اس کا ذکر ہو رہا تھا اس لئے اسی جیسا لفظ استعمال فرمایا گیا۔ یا مبالغہ کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ جو پیدا کرتا ہے اس کی مانند تو ذوالعقول میں سے جو کچھ پیدا نہیں کرتے وہ بھی نہیں ہیں۔ پھر بے علم اس کی مانند کیسے ہو سکتے ہیں۔ ہمزہ انکار کے لئے اور فاء تعقیب کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے کمال علم اور عظیم قدرت اور حکمتِ منتہیہ اور تخلیق میں اس کے یکتا ہونے پر اتنے واضح اور کثیر دلائل کے بعد اس کے ایسے شریک کا کوئی معنی نہیں سوجھتا جو اشیاء کی تخلیق میں اس کی مثل نہیں ہے بلکہ وہ جواہر واعراض میں سے کسی چیز کی تخلیق پر قادر نہیں حتیٰ کہ ایک مکھی کو اڑانے اور اسے دور کرنے پر بھی قادر نہیں وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ۔ ۲۲/۷۳ ("انہیں بتایا جا رہا ہے کہ جن بے جان اصنام کو تم نے اپنا کارساز و حاجت روا سمجھ رکھا ہے ان کی حقیقت پر کبھی تم نے غور کیا۔ کائنات کی خوبصورت، مفید اور بڑی بڑی چیزوں کو تم رہنے دو۔ انہیں کہو کہ وہ سب مل کر ایک مکھی ہی بنا دیں جو بالکل حقیر اور کمزور سی چیز ہے۔ پھر فرمایا مکھی بنانا تو کجا ان بیچاروں میں تو اتنی طاقت بھی نہیں کہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اس سے واپس لے سکیں۔ جن معبودوں کی بے بسی کا یہ عالم ہے انسان جسے اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے اور جسے ایجاد و اختراع کی حیران کن صلاحیتیں بخشی گئی ہیں وہ اگر انہیں معبود بنا لے تو دنیا میں اس سے بڑی حماقت اور ظلم نہیں ہو سکتا۔ ضیاء") حق تو یہ تھا کہ کلام یوں ہوتا اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ہو لیکن اس کے برعکس فرمایا اس بات پر

تنبیہ کرنے کے لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا کر اس کو عاجز مخلوق کی جنس کے ساتھ تشبیہ دی ہے ✳ تم اتنا بھی غور نہیں کرتے یعنی نصیحت آموز اور عبرت آمیز اشیاء کے مشاہدہ کے بعد انتباہ اور نصیحت حاصل کرنے پر انکار ہے (حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ عثمانیؒ ۔ تفسیر مظہری ۔ ت: مفہوم)

۱۸ ۔ وہ نعمتیں جو تمہیں نصیب ہیں جو مذکور بھی نہیں ہوئیں اگر تم انہیں شمار کرو تو ان کی گنتی نہیں کر سکو گے اور نہ ہی تم ان کی تعداد جانتے ہو چہ جائیکہ تم ان کا شکر ادا کر سکو۔ "الاحصاء" بمعنی عدّہ (کمافی القاموس) دراصل اہل عرب کا قاعدہ تھا کہ جب حساب کرتے تو کسی حد تک ٹھہر کر اس کے لئے ایک کنکری رکھ دیتے۔ بعد ازاں پھر نئے سرے سے شروع کر دیتے اس مناسبت سے اس کا نام احصاء مقرر ہوا۔ آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ایسی نہیں کہ کنکریوں سے گنی جا سکیں بلکہ ان کی گنتی انسان کی بس میں نہیں ✳ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں کو چھپاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگرچہ تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے تاہم وہ تمہاری کوتاہیوں سے تجاوز فرماتا ہے ✳ بہت بڑی رحمت اور عظیم نعمتوں والا ہے باوجودیکہ تم اپنی غلطیوں اور خطاؤں کی وجہ سے اس لائق ہو کہ تم سے رحمت الٰہی منقطع ہو جائے، وہ اپنی رحمت منقطع نہیں فرماتا۔ حالانکہ تم محرومی کے لائق ہو لیکن وہ تمہیں محروم نہیں کرتا اور کفرانِ نعمت پر تم کو سزا نہیں دیتا۔ "غفران کو رحمت پر مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ غفران میں تخلیہ ہے اور رحمت میں تحلیہ۔ تخلیہ تحلیہ پر مقدم ہوا کرتا ہے" (ف)

ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انسان کے لئے نفس و قلب و محبت و دین و دنیا و طاعت و معصیت و ابتداء و انتہا اور وقت اور اصل و فصل ہے۔ نفس کی نعمت طاعات و احسان ہیں اور نفس ان میں منقلب ہوتا ہے اور قلب کی نعمت یقین و ایمان ہی ہے اور قلب ان دونوں میں منقلب ہوتا ہے اور روح کی نعمت خوف و رجاء ہے اور وہ ان میں منقلب ہوتا ہے اور عقل کی نعمت حکمت و بیان ہے وہ ان میں منقلب ہوتا ہے۔ محبت کی نعمت الفت و مواصلت اور امن من الہجران ہے۔ یہ وہ ان میں منقلب ہوتا ہے یہی وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا کی تفسیر ہے (ف) انسان تازیست اعمال صالح اور شکر الٰہی میں لگا رہے تب بھی نعمت وجود کا شکر ادا نہیں کر سکتا پھر باقی نعمتوں کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے (ترجمہ: اگر میں ہزار سال زندہ رہوں اور سجدہ ریز ہی رہتا گزروں پھر بھی اس کے ایک دن کے فضل و کرم کا مکمل طور پر شکر ادا نہیں کر سکتا۔ اگرچہ میرا ہر سال ایک ہزار ماہ کا ہو اور ہر ماہ ہزار دن کا اور ہر دن ہزار ساعت کا اور ہر ساعت ہزار سال کا تب بھی ادائے شکر محال و ناممکن ہے) (روح البیان ۔ ت)

لغوی اشارے ✳ تَعُدُّوْا : تم گننے لگو۔ تم شمار کرنے لگو (نصر) عَدٌّ سے جس کے معنی شمار کرنے کے ہیں مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر، نون اعرابی ان شرطیہ آنے کی وجہ سے حذف ہو گیا ہے ●

نعمۃ : انعام ۔ قرآن مجید میں نعمۃ سے عموماً مراد انعام ہے یعنی نعمت دینا احسان کرنا بغیر کسی استحقاق
اور تمنا معاوضہ کے محض اپنے فضل سے عنایت کرنا بعض مقامات پر نعمت سے مراد نعمت ہی ہے یعنی وہ
چیز جو بلا استحقاق بغیر معاوضہ کے دی گئی ۔ اب بتانا یہ ہے کہ انعام یا نعمت کی صورت کیا ہوئی ۔ ہر آیت میں
ایک ہی نوع اور ایک ہی قسم کا انعام مراد ہے یا مفہوم جنسی کے اشتراک کے باوجود انعامات کی نوعیت اور
صنفیت جدا جدا تھی اہل تفسیر نے ہر انعام کی نوعیت جدا جدا لکھی ہے اور بعض جگہ کوئی مخصوص صنف
مراد نہیں ہے عمومی نعمت مراد ہے جہاں سیاق قرآنی یا صراحت مفسرین سے مخصوص نوع کا انعام
مراد ہے اس کی صراحت یوں ہے ۔ آیات الہیہ ، ایمان واسلام ، ثواب ، سلامتی ، نبوت وبادشاہت
کا سلسلہ ، بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دینا ، مکہ کو مقام امن بنا دینا ، قوم کے اندر سکونت
کرا دینا اور لوٹ مار سے حفاظت کرنا ، سمندر کے اندر جہازوں کو چلانا ، مسلمانوں کو غزوہ احزاب
میں شکست سے بچالینا ، کشتیاں ، جہاز اور ہر قسم کی سواری دینا ، نَعمۃ بمعنی تنعم یعنی باغوں
چشموں اور سرسبز مرغزاروں سے فائدہ اٹھانا اور عیش اڑانا ، رحمت ، نبوت وغیرہ ۔ احسان
النَعمۃ بمعنی تنعم عیش اندوزی ، فرعون کا احسان پرورش موسیٰؑ پر ۔ باقی آیات میں عمومی انعام
اور احسان مراد ہے واللہ اعلم ● تحصوھا : تم اس کا شمار کر سکو گے ۔ اس میں ضمیر ھا واحد مونث غائب ہے (لغات القرآن)
معنویات مزید ✶ کفار عرب اپنے اصنام کو خالق نہیں مانتے تھے اس کے باوجود انہیں خدا کی طرح جانتے
تھے اس لئے ان کی پرستش کرتے تھے آیت ۲۰ میں اس کی تردید فرمائی اور واضح فرمایا یعنی مخلوق خالق کی طرح نہیں
ہو سکتی تو اس کی طرح معبود کیسے ہوگا ۔ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہونی چاہیئے (ن ع) ✶ سو کیا جو پیدا
کرتا ہو یعنی خالق حقیقی اللہ تعالیٰ تو وہ ان اصنام جیسا ہو جائے گا کہ جو پیدا ہی نہیں کر سکتے اور نہ کچھ قوت
وطاقت ، حس وحرکت کر سکتے ہیں تو کیا پھر بھی تم اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوقات کی اتنی بات
بھی نہیں سمجھتے ۔ (۲۱) اللہ تعالیٰ جو خالق یعنی مخلوقات کو پیدا کرنے والا کیا اس جیسا ہو جائے گا جو کوئی چیز تخلیق
کر سکتا ہے اور نہ بنا سکتا ہے (م ق) ● اللہ تعالیٰ کے انعامات ، افضال واکرام بے حد وحساب ہیں اگر ایک نہیں
بلکہ سارے انسان مل کر ان کا شمار اور گنتی کرنی چاہیں تو وہ سب شمار کرنے کی کوشش کرنے والے بے بس
ومجبور ہو جائیں گے انعامات الٰہیہ کا شمار نہیں کر پائیں گے ۔ اب یہ ذی شعور اور سعادت مند بندوں پر منحصر ہے
کہ وہ اپنے منعم حقیقی کو جانیں ، سمجھیں اور پہچانیں تاکہ اس کے بے پایاں انعامات پر اس کا صدق
دل کے ساتھ شکر ادا کر سکیں (م ف) ✶ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بے شمار نعمتیں ہیں کہ جنہیں کوئی بھی گن نہیں
سکتا ۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انسان ساری نعمتوں اور سرفرازیوں سے واقف رہتے ہوئے بھی اکثر
ناشکری کرتے ہیں ، اپنے معبودان باطلہ سے جڑے ہوئے اور ان کی طرف مائل نظر آتے ہیں اگرچہ کہ اس شرک
ونافرمانی کی سزا دنیا میں خدائی نعمتوں کا چھین لیا جانا بالکل واجبی تھا لیکن اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے (ح)

(انسان) باوجود عجز و محتاجی کے غرور کرتا ہے ، نعمتوں کا انکار کرتا ہے ۔ سورۃ النحل

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝

اور اللہ جانتا ہے جو چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں ✶ اور اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہیں وہ کچھ بھی نہیں بناتے اور وہ خود بنائے ہوئے ہیں ✶ مردے ہیں زندہ نہیں اور انہیں خبر نہیں لوگ کب اٹھائے جائیں گے۔ (۱۶/ ۱۹ تا ۲۱ ✶ ت: کنز)

۱۹۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وہ عقائد و اعمال جو تم اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے ہو اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے وَمَا تُعْلِنُوْنَ اور جنہیں تم ظاہر کرتے ہو انہیں بھی جانتا ہے۔ یعنی اس کے علم محیط کے آگے تمہارے ظاہری و باطنی عقائد و اعمال برابر ہیں۔ اس لئے انسان پر لازم ہے کہ ان اعمال و عقائد سے بچے جو اس کی رضا کے خلاف ہوں۔ (روح البیان۔ت)

● واللہ یعلم الخ اس میں ایک اور فرق الہ حق اور فرضی معبودوں میں بتلایا ہے کہ اللہ کو ہر ایک ظاہر و باطن بات معلوم ہے تمہارے باطل معبودوں کو نہیں۔ (تفسیر عثمانی۔)

۲۰۔ اس آیت اور اس کے بعد کی آیتوں میں دلائل سے نتیجہ نکالا ہے۔ اب نتیجہ جو خود بخود ابھر رہا اور ہر نشانہ کے سامنے آ رہا تھا یعنی جب پروردگار نے اپنی پروردگاری کا یہ تمام کارخانہ پیدا کر دیا ہے۔ کیا کوئی دوسری ہستی اس کے برابر ہو سکتی ہے؟ کیا وہ ہستی جو سب کچھ پیدا کر رہی ہے اور وہ جو پیدا نہیں کر سکتی دونوں برابر ہو سکتی ہیں؟ اگر نہیں ہو سکتیں تو اس سے بڑھ کر عقل کی کوری اور روح کی موت کیا ہو سکتی ہے کہ تم دوسری ہستیوں کو بھی پروردگار عالم کے ساتھ معبودیت میں شریک کر رہے ہو۔ (ترجمان القرآن)

۲۱۔ یہ اصنام تو بے جان جمادات اور مجسمے ہیں نہ یہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ عقل رکھتے ہیں انہیں تو یہ شعور تک نہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی جب ان کی بے بسی کا یہ کیفیت ہے تو ان سے نفع اور ثواب کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔ نفع اور ثواب کی توقع تو اس ذات سے کی جاتی ہے جسے ہر چیز کا علم ہے اور جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا۔ (ابن کثیر۔ ت: مترجم)

● (مردے ہیں) بے جان (زندہ نہیں اور انہیں خبر نہیں لوگ کب اٹھائے جائیں گے۔) تو ایسے مجبور بے جان بے علم معبود کیسے ہو سکتے ہیں ان دلائل قاطعہ سے ثابت ہو گیا کہ "تمہارا معبود ایک معبود ہے" (کنز الایمان و حاشیہ)

لغوی اشارے ✶ تُسِرُّوْنَ: تم چھپاتے ہو، تم پوشیدہ رکھتے ہو اِسْرَارٌ سے مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر ● تُعْلِنُوْنَ: تم ظاہر کرتے ہو۔ تم آشکار کرتے ہو، تم کھولتے ہو۔ اِعْلَانٌ سے۔ مضارع کا صیغہ، جمع مذکر حاضر، واضح رہے کہ اعلانٌ کا زیادہ تر استعمال معانی کے متعلق ہوتا ہے۔ ذوات و

واصلیاں کے متعلق نہیں ہوتا ● يَدْعُوْنَ: جمع مذکر غائب مضارع دَعْوَةٌ اور دُعَاءٌ (نصر) وہ
بلاتے ہیں، طلب کرتے ہیں، بلاتے تھے، پوجتے ہیں، پکارتے ہیں ● دُوْن: ورے، سوائے، غیر، جو کسی سے
نیچے ہو دون کہلاتا ہے بعض کا قول ہے کہ یہ دُنُوٌّ کا مقلوب ہے جس کے معنی نزدیک کے ہیں۔ امام
سیوطیؒ لکھتے ہیں: دون ظرف ہوکر استعمال ہوتا ہے، فوق کی نقیض ہے اور مذہب مشہور پر معرب
نہیں ہوتا اور بعض کہتے ہیں معرب ہوتا ہے چنانچہ "وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ" دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ پیش
کے ساتھ بھی اور زیر کے ساتھ بھی اور اسم بھی واقع ہوتا ہے بمعنی غیر کے جیسے اِتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اٰلِهَةً
(اور لوگوں نے پکڑے ہیں اس کے سوائے معبود) کہ دونہ بمعنی غیر یعنی اس کے سوا کے ہے،
زمخشری نے کہا: کہ غیرہ کے معنی کسی چیز کے ورے کے ہیں اور حالت کا فرق بتانے کے لئے بھی اس کا استعمال
ہوتا ہے ● اَمْوَاتٌ: مردے۔ میت کی جمع ● اَحْیَا: اس نے زندہ کیا، جلایا، اِحْیَاءٌ سے جس کے معنی
جلانے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ حَیَاةٌ مصدر ہے۔ حَیَاةٌ کا استعمال مختلف معانی میں ہوتا ہے
(۱) قوت نامیہ جو نباتات اور حیوانات میں ہوتی ہے (۲) قوت احساس جس کی بناء پر حیوان کو حیوان کہا جاتا ہے
چنانچہ ارشاد قرآنی (ترجمہ) "یقیناً جس نے اس زمین کو زندہ کیا وہی مردوں کو زندہ کردے گا" میں زمین کی زندگی سے
اس کی شادابی اور روئیدگی یعنی قوت نامیہ مراد ہے اور مردوں کے جلانے سے قوت احساس کا عطا کرنا مقصود
ہے (۳) عقل کی قوت کارکردگی چنانچہ آیت شریف (ترجمہ) "کیا وہ شخص کہ جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو
زندہ بنا دیا" یہاں زندگی سے مراد عقل کی قوت کار کا عنایت کرنا ہے (۴) بقا و فہم کے ساتھ ساتھ
لذت اندوزی چنانچہ آیت (ترجمہ) "ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے مردہ مت خیال کرو بلکہ
وہ تو زندہ ہیں" یہاں زندگی سے مراد یہ ہے کہ ان میں فہم باقی ہے اور وہ اللہ کی نعمتوں سے لذت
اندوز ہو رہے ہیں جس کا ذکر شہدا کے متعلق تو قرآن عظیم میں اور بکثرت احادیث میں وارد ہے۔
آخرت کی دائمی زندگی جیسے (ترجمہ) "اے کاش میں اپنی اخروی زندگی کے لئے کچھ (نیک عمل) آگے بھیج دیتا"
یہاں حیات سے حیات اخروی دائمی مراد ہے۔ (۶) حیات جب اللہ جل شانہ کی صفت واقع
ہو تو حی سے مراد وہ ذات قدوس ہے جس کے متعلق کبھی موت کا تصور کیا ہی نہیں جا سکتا (۷)
ہلاکت سے نجات دینا چنانچہ آیت (ترجمہ) "اور جو شخص کسی کو بچا لیوے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو
بچا لیا" میں حیات سے ہلاکت سے بچانا مقصود ہے ● اَيَّانَ: کب، متی کے قریب المعنی ہے اور
کسی شے کا وقت دریافت کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے بعض لوگ اس کی اصل اَیُّ اَوَانٍ بمعنی
کون سے وقت کے بتاتے ہیں الف کو حذف کرکے واو کو یا کیا گیا اور پھر یا کا یا میں ادغام کردیا "اَيَّانَ"
ہو گیا ● یُبْعَثُوْنَ: جمع مذکر غائب مضارع مجہول مثبت۔ بعث سے۔ وہ اٹھائے جائیں گے۔ (لغات القرآن)
معنویات ✱ عِبَادَۃ: عبادت، بندگی، پرستش، عَبَدَ، یَعْبُدُ کا مصدر ہے جس کے معنی پوجنے اور

عبادت کرنے کے ہیں اس کا فعل باب نَصَرَ سے آتا ہے * "وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ" اور وہ ان کے معبودان باطلہ جن کی وہ پرستش کرتے ہیں۔ حضرت علامہ شیخ اسماعیل حقی رح تحریر فرماتے ہیں "یدعون" بمعنی "یعبدون" ہے اور دعا بمعنی عبادت قرآن مجید میں بکثرت وارد ہوا ہے (روح البیان ج ۵ ص ۲۳۳) - خدا کی اس کی بندگی کے اظہار کا مشروع طریقہ۔ شرع میں دو قسم کے احکام ہیں عبادات اور معاملات۔ معاملات ان احکام کا نام ہے جو انسان کے دنیاوی کاروبار سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ عبادات سے وہ احکام مراد ہیں جن سے خدا کی تعظیم اور بندگی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اسلام میں یہ چار عبادتیں ہیں جن میں خدا کی تعظیم اور اپنی عبودیت کے اظہار کے علاوہ بنی آدم کی جسمانی صحت اور اخلاقی درستی بھی مرکوز ہے۔ نماز سے خشوع و خضوع دل میں پیدا ہوتا ہے جس کے باعث آدمی بہت سی برائیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ پانچوں وقت وضو کرنے سے بدن میں صفائی اور طبیعت میں فرحت اور تازگی پیدا ہوتی ہے۔ روزے میں بھوک اور پیاس کی جو سختیاں آدمی اپنے نفس پر جھیلتا ہے اس سے صبر و تحمل اور مصائب و تکالیف کو استقلال کے ساتھ برداشت کرنے کا عادی ہو جاتا ہے اور اپنے غریب و مسکین بھائیوں کی مفلسی اور تنگدستی کا اندازہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کیسی بری طرح سے طرح طرح کے فاقے کاٹتے ہوں گے۔ اسی طرح زکوٰۃ کے فرض کرنے سے غریبوں مسکینوں اپاہجوں یتیموں بیواؤں اور ستم زدوں کی ہمدردی اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا مقصود ہے۔ حج سے انسان سفر کی تکالیف برداشت کرتا ہے جس سے اس کے بدن میں قوت آتی ہے۔ دریاؤں سمندروں اور پہاڑوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا مشاہدہ کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔ اطراف عالم کی سیر کرنے سے بہت سے دنیوی فوائد اور دینی برکات بھی حاصل ہوتی ہیں۔ غرض دین حق اسلام نے عبادت کے جو طریقے بتائے ہیں ان سے دینی برکات بھی حاصل ہوتی ہیں اور دنیوی فوائد بھی * (لغات القرآن میں ہے کہ) عبودیۃ اظہار فروتنی کا نام ہے اور عِبَادَۃٌ اس سے بھی بلیغ تر ہے کیونکہ اس کے معنی انتہائی فروتنی کے ہیں اور اس کا استحقاق بھی سوائے اس ذات عالی کے کہ جس کے افضال و اکرام و انعام بے حد و نہایت ہیں اور کسی کو نہیں ہے۔ ارشاد ہے "کہ نہ پوجو مگر اسی کو" اور عبادت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) عبادت بالتسخیر (۲) عبادت بالاختیار جو ذوی العقول کے ساتھ خاص ہے اور جس کا حکم "بندگی کرو تم اپنے رب کی" اور "عبادت کرو اللہ کی" وغیرہ آیات میں دیا گیا ہے (راغب) قاموس میں "عبادت" کے معنی طاعت کے بیان کئے ہیں لیکن ابن الاثیر کے نہایہ میں یہ الفاظ ہیں (ترجمہ) لغت میں عبادت نام ہے اس اطاعت کا جو عاجزی کے ساتھ ہو" یہ بہت جامع تعریف ہے

(سی ام ح ش)

اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ
وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

تمہارا معبود (بس) اللہ واحد ہے پس جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر ان کے دل منکر ہیں اور وہ مغرور ہیں * یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں بے شک وہ پسند نہیں کرتا غرور و تکبر کرنے والوں کو * اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا نازل فرمایا ہے تمہارے پروردگار نے کہتے ہیں (کچھ نہیں) یہ تو پہلے لوگوں کے من گھڑت (قصے) ہیں۔ (۱۶/ ۲۲ تا ۲۴ * ت: ضیاء)

۲۲۔ "تمہارا خدا (بس) خدائے واحد ہے"۔ حجت کے قیام کے بعد مدعیٰ کو دوبارہ یاد دلایا کہ حجت سے ثابت ہو چکا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے۔ "پس جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر ان کے دل منکر ہیں"۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر اتنی بے حساب نوازشات فرمائی ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا حالانکہ وہ نعمتیں بالکل عیاں اور بدیہی ہیں لیکن پھر ان کے انکار کی وجہ صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نور معرفت کا بیج ڈالا ہی نہیں ہے اس لئے وہ حق دیکھنے سے اندھے ہو گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا فرمایا پھر ان پر اپنے نور کو برسایا جسے یہ نور مل گیا وہ ہدایت پا گیا اور جو اس نور سے محروم ہو گیا وہ گمراہ ہو گیا اسی وجہ سے میں کہتا ہوں قلم اللہ تعالیٰ کے علم پر خشک ہو گیا۔ (احمد، ترمذی) "اور وہ مغرور ہیں"۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا حق عبادت سمجھتے ہی نہیں ہیں کیوں کہ اس کی نعمتوں کا انکار کرتے اور اتباع رسول سے تکبر کرتے ہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرکے اللہ تعالیٰ کی ذات کو مستحق عبادت سمجھتے تو یقیناً وہ آخرت پر ایمان لاتے جس میں عبادت کی جزا ملے گی اور عبادت کے ترک پر سزا ملے گی اور وہ سنت نبوی ﷺ ([illegible]) کی پیروی سے اعراض نہ کرتے بلکہ ہدایت کے راستہ کی تلاش میں پوری کوشش صرف کرتے۔

۲۳۔ تحقیق اور یقینی بات یہی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ جو دل میں انکار حق چھپاتے ہیں اور ان کے غرور کو بھی جانتا ہے "لاجرم" یہ "حقاً" کی طرح تحقیق و تاکید کے لئے آتا ہے ابوالبقاء نے فرمایا کہ "لاجرم" کے متعلق چار اقوال منقول ہیں ا۔ کلام ماضی کے متعلق واضح کرے تاکہ

اسے رد نہیں کیا گیا۔ گویا اس کا معنی ہو گا کہ معاملہ ایسے نہیں جیسے انہوں نے سمجھ رکھا ہے اور جرم فعل ماضی ہے بمعنی کسب اس کا فاعل ضمیر ہے جو جرم میں مضمر ہے اور اس کا مابعد منصوب علی المفعولیۃ ہے۔ ۲) یہ دو لفظوں سے مرکب ہے پھر وہ مفرد ہو کر حقاً کے معنی میں مستعمل ہے اور اس کا مابعد محلاً مرفوع ہے گویا وہ مابعد حقّ کا فاعل ہے۔ ۳) لاجرم بمعنی لامحالہ ہے اس معنی پر اس کا مابعد مرفوع ہے بعض نے کہا کہ اس کا مابعد محلاً منصوب یا مجرور ہے۔ ۴) لا منع کے معنی میں ہے۔ * بے شک اللہ تعالیٰ توحید کا انکار کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ یہاں مستکبرین سے جنس مراد ہے یعنی خواہ وہ مشرک ہوں یا کوئی اور۔ الاستکبار اپنے آپ کو اپنے قدر سے بڑھانا اور حق کا انکار کرنا۔ تکبر اور استکبار میں فرق یہ ہے کہ تکبر عام ہے یا اس معنی کہ اظہار حق کے لئے اپنے آپ کو بلند قدر ظاہر کرنا مثلاً اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفاتیہ میں متکبر بھی ہے اور جبار بھی ہے * اور تکبر اظہار کبر باطل پر بھی بولا جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ... الخ یعنی میں پھیر دوں گا اپنی نشانیوں سے ان لوگوں (کی توجہ) کو جو غرور کرتے پھرتے ہیں زمین میں ناحق۔ (۷/۱۴۶) یہاں ایک قاعدہ بیان کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ غرور و تکبر کی روش اختیار کرتے ہیں اور اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مست رہتے ہیں اور انبیاء کی اطاعت کرنے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں بطور سزا ایسے لوگوں کو کتاب الٰہی کی توفیق سے محروم کر دیا جاتا ہے، اور الاستکبار صرف اظہار کبر باطل کے لئے مستعمل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے حق میں فرمایا: استکبر۔ یہی معنی آیت ہذا میں مراد ہے۔ (ف) متعارف یہ ہے کہ انسان کا اپنے گمان میں اپنے آپ کو دوسرے سے بڑا سمجھنے کا نام کبر اور اس کے اظہار کا نام تکبر ہے۔ (روح البیان۔ ت)

۲۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا چرچا بدو قبائل میں ہونے لگا۔ وہ اس امر کی تصدیق کے لئے ایام حج میں اپنے قاصدین کو مکہ مکرمہ روانہ کیا کرتے۔ جب مختلف قبائل کے قاصد مکہ مکرمہ آتے اور قبائلی لوگوں میں سے کسی کافر سے ان کی ملاقات ہو جاتی تو وہ قاصد اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اور کلام ربانی قرآن حکیم کے متعلق دریافت کرتے تو وہ کافر مارے حسد و مخالفت کے دریافت کرنے والے سے کہتا کہ حاشا وکلا قطعاً وہ خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ گزشتہ قوموں کے قصے اور کہانیاں ہیں جو انہوں نے گھڑی ہیں اور اب لوگوں کو سنا کر اپنے (موافق بنا رہے ہیں) اس طرح کفار قریش (اللہ کے) متلاشیان حق اور جویان ہدایت کو چشمہ ہدایت تک پہنچنے سے پہلے ہی بدظن کر کے واپس کر دیتے۔ اساطیر جمع ہے اسطر اور سطور کی جس کا واحد سطر ہے اس کا معنی ہے ایک صف یا لائن، کتابوں کی ہو کہ کتاب کی ہو یا درختوں کی ہو۔ بحوالہ (ضیاء القرآن)

لغوی اشارے * مُنكِرَةٌ: اسم فاعل واحد مؤنث انکارٌ مصدر، نہ ماننے والے۔ نکرٌ۔ نکارةٌ

نُکْراءُ (اسم مصدر) دانائی ۔ نُکْرَۃٌ اور نَکِرَۃٌ ۔ عدم شناخت، انجان ۔ نُکُرٌ عقلمند ۔ نُکْرٌ برا انجام،
مشکل کام ۔ نُکْراءُ عقلمند عورت ۔ بری چیز وغیرہ ● مُسْتَکْبِرُوْنَ : اسم فاعل جمع مذکر مرفوع
مُسْتَکْبِرٌ واحد، اِسْتِکْبار مصدر باب اِستفعال، اپنے کو بڑا سمجھنے والے ۔ مغرور ● مُسْتَکْبِرِیْنَ
اسم فاعل جمع مذکر منصوب نکرہ، تنفیس مذکور ● لَاجَرَمَ : یقیناً اور حقاً کا ہم معنی ہے
اصل میں اس کا معنی لامحالہ تھا ۔ توسیع استعمال کے بعد قسم یا حق (فعل ماضی) کے معنی میں مستعمل ہونے لگا ۔
سیبویہ کا یہی قول ہے بلکہ یہ خلیل کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے ۔ ابوالسعود نے
حقاً یعنی مصدری معنی قرار دیے ہیں ۔ جمہور کا مسلک بھی یہی ہے امام رازی نے تفسیر کبیر میں فراء کی طرف
بھی اس قول کی نسبت کی ہے تفسیر ابوالسعود میں لا کو نافیہ اور جَرَمَ کو فعل ماضی بمعنی حَقَّ کے قرار دیا ہے
مطلب یہ کہ اس فعل کا غیر مفید ہونا حق ہے ۔ بعض کے نزدیک لاجرم کا معنی ہے لَا بُدَّ وَلَا مَنْعَ
کوئی رکاوٹ نہیں، مخالفت نہیں، کوئی روک نہیں سکتا ● اَسَاطِیْرُ : کہانیاں ۔ من گھڑت لکھی ہوئی
باتیں ۔ اُسْطُوْرَۃٌ کی جمع ۔ وہ جھوٹی خبر جس کے متعلق یہ اعتقاد ہو کہ وہ جھوٹ گھڑ کر لکھ دی گئی ہے سطورہ کہلاتی ہے (ل ق)
معلومات مزید ✶ کتاب الامالی (سہیلی) میں لکھا ہے کہ تصدیق و ایمان میں فرق یہ ہے کہ تصدیق کے
مقابل خبر کا ہونا ضروری ہے اور ایمان کبھی خبر کے مقابل ہوتا ہے اور کبھی انکار و کفر کے مقابلہ میں ۔ مثلاً جب
تم کسی عجیب و غریب صنعت کو دیکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی قدرت و صنعت کا اعتراف کرتے
ہوئے کہتے ہو اٰمَنْتُ ۔ یہ ایمان خبر کے مقابل نہیں ہے اس لئے کہ یہاں کوئی خبر نہیں ہے ہاں
جب کسی سے کوئی خبر آئے تو تم کہو اٰمَنْتُ، تو یہاں تم نے ایک خبر کی بات کی تب بھی تم نے اٰمَنْتُ کہا
دوسرا فرق یہ ہے کہ تصدیق قلبی طور پر ہوتی ہے اگرچہ تم زبان سے کہو تب بھی اسے تصدیق ہی کہیں گے
خلاصہ یہ کہ ایمان میں اتباع اللفظ مع المعتقد ضروری ہے لغۃً بھی شرعاً بھی ✶ اس حقیقت کو ماننا
ہی سعادت ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے وہ ہر بات، چیز، واقعہ، حقیقت سب کو جانتا ہے
خواہ وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ اللہ تعالیٰ سب سے واقف ہے ہر چیز اس پر عیاں ہے ۔ جو لوگ بعض حقائق
کو دل ہی دل میں چھپا کر ظاہراً اس سے ناواقفیت اور لاعلمی کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن وہ اس بات سے
شاید بے خبر ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی چھپائی گئی باتوں اور وہ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں ان سے بخوبی واقف ہے
غرور، تکبر، گھمنڈ، شیخی خورے، اترانے والے اللہ تعالیٰ کو قطعاً پسند نہیں ✶ جھٹلانے اور انکار کرنے
والوں سے اگر پوچھا جائے کہ تمہارے رب تعالیٰ نے کیا (قرآن) نازل کیا تو وہ کہتا ہے اس سوال
کے جواب سے اعراض کرتے کہہ دیتے ہیں کہ سب کچھ نہیں نازل کیا یہ سب تو رات دن پہلے
لوگوں کے افسانے سنائے جاتے ہیں جو سابقہ کتب سے منقول ہیں ۔ نضر بن حارث قرآن کی نسبت جانتا تھا کہ
یہ کلام الٰہی کتاب معجز اور حق و ہدایت سے مملو ہے لیکن باوجود لوگوں کو گمراہ کرنے کی ڈھٹائی سے جہالت سے کہہ دیتا کہ یہ پہلے لوگوں
کی کہانیاں ہیں ۔ (س م ح ش)

لِيَحْمِلُوٓا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ
بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَآءَ مَا يَزِرُونَ ۝ قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللّٰهُ
بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتٰىهُمُ
الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ
أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَآقُّونَ فِيهِمْ ۗ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ
إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوٓءَ عَلَى الْكٰفِرِينَ ۙ ۝

کہ قیامت کے دن اپنے بوجھ پورے اٹھائیں اور کچھ بوجھ ان کے جنھیں اپنی جہالت سے گمراہ
کرتے ہیں سن لو کیا ہی بُرا بوجھ اٹھاتے ہیں * بے شک ان سے اگلوں نے فریب کیا تھا
تو اللہ نے ان کی چنائی کو نیو سے لیا تو اوپر سے ان پر چھت گر پڑی اور عذاب ان پر
وہاں سے آیا جہاں کی انہیں خبر نہ تھی * پھر قیامت کے دن انہیں رسوا کرے گا اور
فرمائے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن میں تم جھگڑتے تھے علم والے کہیں گے آج
ساری رسوائی اور برائی کافروں پر ہے (ت: ک * ۲۵ تا ۲۷/۱۶)

۲۵۔ "تاکہ (اس بے ہودہ سرائی کے باعث) وہ اٹھائیں اپنے (گناہوں کے) پورے بوجھ قیامت کے دن۔"
لیحملوا قالوا کے متعلق ہے یعنی انہوں نے یہ بات اس لیے کی تاکہ لوگوں کو گمراہ کریں اور اٹھائیں
اپنی گمراہی کے گناہ مکمل طور پر کامل فرمایا کیوں کہ ان کے گمراہی پر راسخ اور پختہ ہونے کا نتیجہ ان کی گمراہی
تھی * "اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں جنھیں وہ گمراہ کرتے رہتے ہیں۔" یعنی قیامت کے دن
وہ ان گمراہ لوگوں کے بعض گناہ اٹھائیں گے جو انہوں نے ان کے گمراہ کرنے کی وجہ سے کیے ہوں گے
ان کے تمام گناہ ان کے ذمہ نہ ہوں گے کیوں کہ جو گناہ انہوں نے خود کیے ہوں گے۔ ان کے گمراہ
کرنے کا عمل دخل نہ تھا وہ ان کافروں کے ذمہ نہ ہوں گے اور جو انہوں نے ان کفار کے گمراہ کرنے
سے کیے ہوں گے وہ ان کا بوجھ اٹھائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو ہدایت
کی طرف بلاتا ہے اسے ان تمام لوگوں کے اجر کی مثل اجر ملے گا جو اس کی اس نیک کام میں
اتباع کریں گے اور ان متبعین کے اجر میں بھی کچھ کمی نہ ہو گی اور جو گمراہی کی طرف بلاتا ہے
تو جتنے لوگ اس برائی میں اس کی اتباع کریں گے ان تمام کے گناہوں کی مثل اس کو گناہ ملے گا
اور ان گمراہی کے پیروکاروں کے گناہوں میں بھی کچھ کمی نہ ہو گی۔ (مسلم) * "جہالت سے" بغیر علم

- یُضِلُّوْنَهُمْ کے فاعل سے حال ہے یا یہ معنیٰ کہ وہ ان لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں جو نہیں جانتے کہ وہ گمراہ ہیں
اس صورت میں مفعول سے حال ہوگا اس میں تنبیہ ہے کہ جہالت کوئی عذر نہیں ہے کیونکہ ان پر لازم تھا
کہ وہ حق و باطل میں تمیز کرتے۔ * کتنا برا (اور گراں ہے) یہ بوجھ جسے وہ اپنے اوپر لادے ہوئے ہیں۔
یعنی بہت بری چیز ہے وہ جو انہوں نے اٹھا رکھا ہے یہاں ما تو بمعنی اشیاء ہے یا بمعنی الذی ہے۔ فاعل ہونے
کی حیثیت سے محل رفع میں ہے یا ضمیر مبہم ہے تمییز کی حیثیت سے منصوب ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے (مظہری۔ ت مختصر)
۲۶۔ حضرت ابن عباسؓ اس فرمان "قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ" کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس مکار سے
مراد نمرود ہے جس نے بلند عمارت تعمیر کی تھی۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ زمین پر سب سے پہلا سرکش نمرود تھا
بعض کہتے ہیں کہ اس مکار سے مراد بخت نصر ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ
کے ساتھ کفر و شرک کرنے والوں کے عمل کی بربادی کی مثال دی جا رہی ہے۔ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ (مثلاً)
یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی عمارت کو جڑوں سے اکھیڑ دیا اور ان کے عمل کو بالکل باطل کر دیا (ابن کثیر۔ ت)....
۲۷۔ یہی عذاب دنیا اور قیامت میں ان کے لیے خواری ہوگی جو انہیں رسوا کرے گا یعنی ان افتراء پردازوں
اور فریب کاروں کو (جو ان سے پہلے گزرے ہیں) قیامت میں بھرے مجمع میں ذلیل و خوار کرے گا۔
(ف) دراصل "الخزی" وہ ذلت ہے جس کے ظاہری حال سے شرم و ندامت لاحق ہوتی ہے* اور
یہاں یہ آخرت میں ان کی رسوائی کا مضمون ہے یعنی قیامت میں اللہ تعالیٰ انہیں توبیخاً اور تفضیحاً
فرمائے گا میرے وہ شریک جنہیں اپنے گمان میں میرے شریک سمجھ کر انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان
کے ساتھ تم جھگڑتے تھے اصنام کے بارے میں یا بطور کہ جب انبیاء علیہم السلام اور اہل اسلام نے تمہارے
اصنام کا بطلان کیا۔ (ف) استفہام سے اصنام کی شفاعت کے عقیدے کی غلط فہمی کا اظہار مطلوب
ہے کہ اے صنم پرستو! تم انہیں شفاعت کا اہل سمجھتے تھے حالانکہ اب وہ غائب ہیں یا ان کے
غلط عقیدے کو بطریق استہزاء (صورۃً) رد کیا گیا ہے یا ان کو اپنے دعوے میں لاچار ظاہر
کرنا ہے* (جیسے کہ کفار اپنے معبودوں کو ہر طرح کا مختار سمجھتے تھے اور ان کا گمان تھا کہ
قیامت میں اللہ تعالیٰ سے اصرار کر کے انہیں چھڑا لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان فاسد کی تردید فرمائی
کہ تم جس کو معبود و مختار سمجھتے ہو وہ بے بس بلکہ معدوم محض ہے) * اور وہ لوگ جنہیں دنیا میں
توحید کے دلائل کا علم دیا گیا جس کی وجہ سے وہ کفار کو توحید کی دعوت دیتے اور ان سے جھگڑا
کرتے اور کفار کے ساتھ تکرار و مجادلہ سے پیش آتے وہ قیامت میں کہیں گے۔ ان سے انبیاءؑ اور
اہل ایمان مراد ہیں یعنی ان کی توبیخ کرتے ہوئے کہیں گے فضیحت اور ذلت یعنی خواری و رسوائی ہے آج
کے دن۔ "الیوم" "الخزی" کے متعلق ہے الیوم میں اشارہ ہے کہ اس سے قبل عزت و اکرام میں تھے
عذاب (ہے) اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور اس کے رسل کرام کے منکرین پر۔ (روح البیان۔ ت)

لغوی اشارے ✱ لِيَحْمِلُوْا : جمع مذکر غائب مضارع منصوب - تاکہ اٹھائیں ● أَوْزَارَهُمْ : ان کے بوجھ
ان کے گناہ - اوزار مضاف، ھم ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ ● كَامِلَةً : اسم فاعل واحد مؤنث
منصوب، پورا یعنی اپنے اعمال کا پورا بوجھ اٹھائیں گے ● أَسَاءَ : اس نے برائی کی - اس نے برا کیا -
إِسَاءَةٌ سے جس کے معنی کسی برے کام کے انجام دینے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ● يَزِرُوْنَ :
جمع مذکر غائب مضارع مرفوع وِزْرٌ مصدر (ضرب) وہ اٹھائیں گے اپنے اوپر لادیں گے ● مَكَرَ :
واحد، مذکر، غائب ماضی معروف مَكْرٌ مصدر باب نصر - ان کو سزا دینے کی باطنی تدبیر کی - پوشیدہ
فریب کیا ● بُنْيَانَهُمْ : ان کی عمارت بُنْيَانٌ مضاف، ھم ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ ●
الْقَوَاعِدِ : بنیادیں یعنی دیوار کا وہ ابتدائی حصہ جو سطح زمین سے شروع ہو کر کچھ اوپر آجاتا ہے
جس پر پوری عمارت قائم ہوتی ہے جس چیز پر کسی چیز کا وجود یعنی قیام ہو وہ قاعدہ ہے مثلاً
قاعدۃ الملک تخت شاہ، قاعدۃ الھودج ہودے کی چوطرفہ لکڑیاں جن پر ہودج قائم رہتا ہے ●
السَّقْفُ : چھت سقوف جمع السقف المرفوع (اونچی چھت) سے مراد آسمان ہے جو زمین کے لئے
چھت کی مانند ہے اور یا عرش عظیم جو تمام آسمانوں کے اوپر ہے ● يُخْزِيْهِمْ : واحد مذکر غائب
مضارع اخزاء سے ھم ضمیر مفعول ان کو رسوا کرے گا اور ذلیل کرے گا ● تُشَاقُّوْنَ : تم ضد کرتے
ہو تم جھگڑتے ہو مُشَاقَّةٌ اور شِقَاقٌ سے جس کے معنی مخالفت کرنے، عداوت کرنے، جھگڑنے
اور ضد کرنے کے ہیں مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر مُشَاقَّةٌ شَقٌّ سے ماخوذ ہے جس کے معنی پھٹنے کے ہیں (ل ق)
معلومات مزید ✱ کفار مکہ کی در پردہ بداعمالیاں اس لئے ہو رہی ہیں تاکہ وہ قیامت کے دن اپنا
پورا بوجھ بھی اٹھائیں اور ان لوگوں کا بھی بوجھ اٹھائیں جن کو وہ اپنی جہالت، بیوقوفی اور حسد و
بغض کی وجہ سے گمراہ کر رہے ہیں گویا یہ بہت ہی برا ہے وہ بوجھ جو وہ بناتے اور اکٹھا کرتے جارہے ہیں۔
جس کا پتہ قیامت کے دن چلے گا (ن) ✱ کافر قرآن کو اساطیر الاولین بتلاتے ہیں لوگوں کو بہکانے کے لئے یہاں
فرمایا کہ کچھ ان پر ہی منحصر نہیں ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی دین حق کے مقابلہ میں بہت کچھ مکر و فریب
کئے تھے - وہ راہ مکہ قدیم زمانہ میں کفار نے منارات بلند بنائے تھے خدا نے ان کو جڑ سے گرادیا چھت ان
پر آپڑی - بعض کہتے ہیں یہ ایک محاورے کی بات ہے کہ ان کے منصوبوں کو ڈھادیا (ع) ✱ اور پھر قیامت کے
دن اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے گا اور ذلیل کرے گا - (ع) اور ان سے فرمائے گا کہ تم نے جن معبودوں
کو میرے شریک بنا رکھے تھے جن کی وجہ سے تم مخالفت کیا کرتے تھے اور جن کے بارے میں تم میرے
انبیاء سے لڑائی جھگڑے کیا کرتے تھے اب وہ کہاں ہیں -

(ح م ح ش)

الَّذِينَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ اَنْفُسِهِمْ ۖ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ
مِنْ سُوٓءٍ ۚ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ ۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ فَادْخُلُوٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ
خٰلِدِينَ فِيهَا ۖ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝ وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۚ
قَالُوا خَيْرًا ۗ لِلَّذِينَ اَحْسَنُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۚ
وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ۝

جن کی جانیں فرشتوں نے اس حال میں قبض کی تھیں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے تب وہ صلح کا پیغام ڈال دیں گے کہ ہم تو برائی نہیں کرتے رہے تھے ضرور (کر رہے تھے) بے شک اللہ خوب جانتا ہے اس کو جو تم کرتے رہے تھے ✱ تو اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو اس میں ہمیشہ رہنے والے (ہو کر) غرض کیا برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا ✱ اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے تو وہ کہتے ہیں بڑی خیر (نازل کی ہے) جن لوگوں نے نیکی کی ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور عالم آخرت تو اور بھی بہتر ہے اور اہل تقویٰ کا وہ گھر واقعی کیا ہی اچھا ہے۔ (۱۶/۲۸تا۳۰ ✱ ت: م)

۲۸۔ ملائکہ سے مراد ملک الموت اور اس کے معاون فرشتے ہیں ✱ وہ اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے یعنی اپنے نفس پر کفر اختیار کر کے ظلم کیا کیونکہ انہوں نے اپنے نفسوں کو دائمی عذاب کے لئے خود پیش کیا تھا یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ✱ تب وہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہتے ہیں ہم نے تو کوئی کفر اور حد سے تجاوز کرنے والا کوئی کام نہیں کیا تھا۔ یہ بھی جائز ہے کہ "السَّلَم" کی تفسیر ہو اور اس سے مراد وہ قول ہو جو استسلام پر دلالت کرتا ہے پس موت کے فرشتے انہیں جواب دیں گے "بَلٰی" ✱ کیوں نہیں! تم برائیاں کرتے تھے اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم برائیاں کرتے تھے وہ تمہیں ان کرتوتوں پر یقیناً سزا دے گا اور تمہارا انکار تمہیں کچھ نفع نہ دے گا۔ عکرمہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ کفار ہیں جو بدر میں قتل ہوئے تھے۔ (بغوی) بعض محققین فرماتے ہیں "فالقوا السلم" سے آخر آیات تک مستقل کلام ہے اور یہ قیامت کے دن کی ان کی حالت کی شرح کی طرف لوٹتی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جواب دینے والا اللہ تعالیٰ ہو اور اہل علم ہوں۔ (تفسیر مظہری۔ ت: م)

۲۹۔ جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے جھوٹ کی قلعی کھولتے ہوئے فرماتا ہے "آیات الٰہی سے تکبر کرنے والوں اور اتباع رسل سے اعراض کرنے والوں کے لئے ذلت و رسوائی کا بہت برا ٹھکانا ہے موت آتے ہی ان کی روحوں کو جہنم رسید کر دیا جاتا ہے اور ان کے اجسام قبروں میں دوزخ کی گرم اور جھلسا دینے

والی ہوا سے دوچار ہوتے ہیں جب قیامت آئے گی تو ان کی ارواح کو ان کے اجسام میں لوٹا کر ہمیشہ ہمیشہ
کے لئے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان
سے دوزخ کا عذاب ... جس دن قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) داخل کرو فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں (ابن کثیر: بحوالہ)

۳۰۔ کافر اسلام قرآن کے بارے میں گفتگو کرتے تھے۔ جب مومن اور صحابی سے سوال کیا جاتا کہ "تمہارے
پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے" تو وہ ایمان افروز جواب دیتے ہوئے فرماتے کہ رب تعالیٰ نے اپنے
نبی محمد رسول اللہ کے لئے یہ قرآن سراپا خیر بنا کر نازل فرمایا۔ ایسی خیر کہ دنیا جہاں کی خیر، حکمت و نصرت
کی ساری خیریں جمع فرما دی گئیں * یہ جو قرآن کریم نبی پاک کے لئے خیر کثیر ہے اور تا قیامت متقی امتی کے لئے
حسنہ ہے یعنی کہ نیکوں کرامی کے ذریعہ سے تمام حسنات حاصل ہوتی ہیں۔ اعمال دنیا سے جزاء آخرت تک
عبادت سے ریاضت تک جسمانیت سے روحانیت تک علم سے ولایت تک سب ہی قرآن مجید کا فیضان ہے
اور پھر آخرت کا گھر تو بہت ہی بہتر والا ہے۔ خیر اور حسنہ میں فرق یہ ہے کہ حسنہ میں اپنے کردار و اعمال کا کچھ دخل
ہوتا ہے اسی لئے اعمال صالحہ کو حسنہ کہا جاتا ہے اسی طرح طیب اور حلال روزی بھی حسنہ ہے مگر خیر
وہ ہے جس میں اور جس کے ملنے میں بندے کے کسی فعل کا دخل نہ ہو۔ اسی لئے قرآن مجید اور تمام وحی جلی
خفی بھی خیر ہے آخرت مومنین بھی خیر ہے۔ حسنہ وہ جس میں زوال ممکن مگر خیر میں نہ زوال نہ تغیر نہ تبدل۔
اسی لئے ساری مخلوق کے علوم، مدارج، شان اور صفات وغیرہ حسنہ ہیں مگر انبیاء کرام کی شان
طاقت و قوت، عظمت و رفعت علم اختیار وغیرہ خیر ہیں ان میں نہ کمی نہ زوال نہ تغیر ہے نہ تبدل ہے
متقیوں کا گھر بھی اچھا ہے اس لئے کہ وہ جنت عدن ہے اور اس کو کبھی زوال نہیں متقی لوگ
ہمیشگی کے لئے داخل رہیں گے۔ خوبصورت ایسی کہ جگہ جگہ دودھ پانی شہد اور خوشبوؤں کی (ابن عباس)
نہریں اور نہریں جاری بہہ رہی ہوں گی اور کثرت ایسی کہ ہر جنتی ہر وقت اپنی ہر پسند کو وہاں موجود پائے گا۔ (بحوالہ اشرف)

لغوی اشارے * اَلْقُوا: تم سب ڈالو۔ اِلْقَاءٌ سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر • سَلَم:
صلح، انقیاد، فرمانبرداری، اطاعت، عاجزی، تسلیم سے یعنی سپرد کرنے کے، اسم ہے
• سُوْٓء: برائی آفت گناہ، برا کام، عیب۔ سُوْءٌ سے اسم ہے۔ علامہ سید مرتضیٰ
زبیدی نے لکھا ہے کہ یہ آفات و امراض کا اکٹھا جامع نام ہے (تاج العروس) امام راغب فرماتے
ہیں " سُوْءٌ ہر وہ چیز جو انسان کو غم میں ڈال دے خواہ دنیوی امور میں سے ہو یا اخروی
امور سے احوال نفسیہ میں سے ہو یا احوال بدنیہ میں سے یا ان حالات میں سے ہو کہ جو جاہ و مال
کے چھوٹ جانے اور دوست کے بچھڑنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کا استعمال
حسن معانی میں ہوا ہے امام سیوطی نے الفیہ تفصیل کے ساتھ ملحق کیا ہے • بَلٰی: ہاں۔ الف اس میں
اصلی ہے بعض کہتے ہیں کہ زائد ہے اصل میں بل تھا کوفیوں کا خیال ہے کہ تانیث کے لئے ہے کیونکہ

اس کا اظہار ہوتا ہے ۔ بلیٰ کا استعمال دو جگہ ہوتا ہے ایک تو نفی ماقبل کی تردید کرنے کیلئے جیسے ۝ زَعَمَ الَّذِينَ
كَفَرُوا أَن لَّن يُبْعَثُوا ۚ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ .... کافروں نے بکا کہ وہ ہرگز نہ اٹھائے
جائیں گے ۔ تم فرماؤ کیوں نہیں میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے ۔ (۷/۶۴) دوسرے یہ کہ
اس استفہام کے جواب میں آتا ہے جو نفی پر واقع ہو خواہ استفہام حقیقی ہو جیسے الیس زید بقائم
(کیا زید کھڑا نہیں) اور جواب میں کہا جائے گا بلیٰ یا استفہام توبیخی جیسے ۝ أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ
أَلَّن نَّجْمَعَ عِظَامَهُ ۝ بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ ۝ کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ
ہم ہرگز اس کی ہڈیاں جمع نہ فرمائیں گے ۔ کیوں نہیں ہم قادر ہیں کہ اس کے پور ٹھیک
بنا دیں (۷۵/۳ تا ۴) یا استفہام تقریری ہو جیسے ۝ .... أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا
کیا میں تمہارا رب نہیں ۔ سب بولے کیوں نہیں ہم گواہ ہوئے ۔ (۷/۱۷۲) نعم اور بلیٰ
میں فرق یہ ہے کہ نعم استفہام مجرد کے جواب میں آتا ہے اور بلیٰ بالاتفاق ایجاب کے جواب میں نہیں
آتا بلکہ اس استفہام کے جواب میں آتا ہے جو مقرون بنفی ہو ، نیز بلیٰ ابطال نفی کے لئے آتا ہے اور نعم
تصدیق ماقبل کے لئے ● ابواب : دروازے ۔ باب کی جمع ہے جس کے معنی دروازے کے ہیں ۔ (لغات القرآن)

معنویات مزید ✱ کفار کی خفت و ذلت و رسوائی اور قیامت کے منظر کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اس روز
اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ کہاں ہیں جن کو تم نے دنیا میں میرا شریک بنا رکھا تھا ۔ بھلا کفار و مشرکین
میں سے کون جواب دے سکتا شرمساری سے سرنگوں ہو جائیں گے تب ان کی سرزنش کے لئے اہل علم و انبیاء
و فرشتے کہیں گے کہ یہ مشرکین و منکرین بڑے بدنصیب اور قابل سزا ہیں یہ اپنے آخری وقت تک اصنام پرستی اور
معصیت میں مبتلا رہے اور اپنی جانوں پر ستم ڈھاتے رہے یعنی مرتے دم تک توبہ کی توفیق نہ ملی اس پر
وہ بدنصیب سرنگوں ہو کر کہیں گے کہ دنیا میں ہم نے تو کوئی برا کام نہیں کیا تب ملائکہ ان کے کذب و دروغ بیانی پر
کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں خوب جانتا ہے کہ تم جو کچھ کرتے رہے ہو ✱ کفار و مشرکین
اور جہنمی اعمال کے مرتکب بدنصیبوں کو ان کی جان نکالتے وقت ہی باخبر کر دیا جائے ’’ تا کہ ان کا
کیا انجام درپیش ہے یعنی ان کی قبر ہی ان کے لئے جہنم کا گڑھا ہے ۔ جاؤ اس میں داخل ہو جاؤ قیامت میں
ان کے لئے دروازے جہنم کھلے ہوں گے حکم ہو گا داخل ہو جاؤ تمہارے غرور و تکبر کے سبب تمہیں اس برے ٹھکانے میں ہمیشہ رہنا ہو گا
✱ خیر سے مراد قرآن کریم ہے کیونکہ جمیع خیرات و حسنات و برکات کا جامع قرآن مجید ہے ✱ جو اعمال صالحہ
کرے اور اپنے اخلاق کو سنوارے اور اپنے احوال میں صالحیت کا انقلاب لے آئے اللہ کی طرف متوجہ رہے اور اس کی اطاعت
میں مشغول رہے تو ایسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکی نصیب ہوتی ہے جو اسے کاملین اور مقربین کے گروہ میں شامل کر دیتی ہے
اہل سعادت و تقویٰ دنیا میں سے آخرت کے لئے سرمایہ اکٹھا کرتے ہیں یعنی تقویٰ و صالحیت ’’ خیر و قرب الٰہی کے حصول کے مواقع جو
دنیا میں انہیں حاصل ہوتے ہیں انہیں گنواتے نہیں بلکہ اطاعت الٰہی و اتباع رسالت اور بہترین اعمال کے ذریعہ متاع آخرت جمع کرتے ہیں ۔ (سراج بخش)

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ۙ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

رہنے کے باغ کہ جن میں وہ داخل ہوں گے (وہاں) ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی (اور وہاں) ان کے لئے جو چاہیں گے موجود ہوگا۔ اللہ پرہیزگاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتا ہے ✱ ان کو جن کی فرشتے ایسی حالت میں روح قبض کرتے ہیں (کہ وہ آلائش گناہ سے پاک) صاف ہوتے ہیں ان سے آکر سلام کرتے اور کہتے ہیں کہ جنت میں چلو اپنے عملوں کی وجہ سے کہ جن کو تم کیا کرتے تھے ✱ کیا منکر اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آویں یا آپ کے رب کا حکم آجاوے ان سے پہلوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور اللہ نے تو کچھ بھی ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ ✱ ت: ح (۱۶/۳۱ تا ۳۳)

۳۱۔ متقیوں کے لئے عدن کے باغات ہوں گے۔ ان میں متقی داخل ہوں گے ان باغات کا حال یہ ہے کہ ان کے منازل کے نیچے جا بجا نہریں جاری ہوں گی اور ہر منزل میں بہترین چشمے ہوں گے۔ ان باغات میں متقیوں کے لئے وہی ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ "انسان کی ہر مراد بہشت میں ہی پوری ہوگی" "مخفی مباد کہ جو فعل حکمت حق تعالیٰ کے خلاف ہو بندوں کو بہشت میں اس کا اشتہا بھی نہ ہوگا" علاوہ ازیں بہشتی اپنی مراتب و کمالات پر راضی رہیں گے جو انہیں عطا ہوئے ہوں گے۔
متقین کی بہشت کی خواہش اور اس کی نعمتوں کی تمنا یہ ہوگی کہ وہ بہشت میں جہاں چاہیں جائیں اسی طرح شرک و معاصی سے بچنے والے کو اللہ تعالیٰ جزا عطا فرماتا ہے۔ (روح البیان۔ ت)

۳۲۔ پھر ان سعادت مندوں کی موت کے وقت کی کیفیت بیان کی کہ اس وقت یہ خوش و خرم ہوتے ہیں کیوں کہ یہ ہر طرح کے شرک اور ہر قسم کی برائی کی آلودگی اور آلائش سے محفوظ رہے۔
موت کے وقت فرشتے انہیں سلام کرتے ہیں اور جنت کا مژدہ سناتے ہیں۔ سورہ حم السجدہ کی آیات ۳۰ تا ۳۲ میں بھی آیا ہے کہ "بے شک وہ (سعادت مند) جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس قول پر پختگی کے ساتھ قائم رہے اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) نہ ڈرو

اور نہ غم کرو، تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ ہم تمہارے دوست ہیں (دنیوی)
زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ شے ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے
لئے ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو گے۔ یہ مہمانی ہے بہت بخشنے والے ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے (بحوالہ ابن کثیر)

۳۴۔ (اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جتنے بھی آسان اور نرم طریقے کسی کو سمجھانے کے ہو سکتے تھے ان تمام
طریقوں سے قرآن و حدیث کے ذریعہ آپ نے ان کفار مکہ کو سمجھا دیا۔ پہلوں کا انجام بتا دیا ان کے ظلم
آشکار کر کے اس کی جزا سزا سنا دی۔ مگر یہ اب بھی اپنی بری حرکتوں سے باز نہیں آتے تو سمجھ لیجئے کہ
یہ صرف ذلت آمیز موت کے منتظر ہیں ان کی یہ حالت بتا رہی ہے کہ اب یہ سوائے اس کے
کسی اور چیز کے منتظر نہیں کہ ان کے پاس موت کے ہیبت ناک فرشتے آئیں یا آپ کے رب کا فیصلہ
آ جائے یہ حماقتیں اور بدتہذیبیاں جو یہ کفار کر رہے ہیں ان سے پہلے کے کافر بھی کرتے رہے ہیں
اور جس قوم پر جو بھی مصیبت ٹوٹی یا عذاب آیا تو وہ اللہ نے ظلم نہیں فرمایا بلکہ ان کفار
نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کے طومار توڑے۔ ظالم جب کسی پر مصیبت ڈھاتا ہے اور مظلوم اس
مصیبت کا شکار ہو جاتا ہے تب وہ ظلم مظلوم پر ہوا لیکن اگر مظلوم کو کچھ بھی نہ ہوا اور وہ صاف
بچ جائے بلکہ اس کی عزت عظمت اور زیادہ ہو جائے تو یہ ظلم خود ظالم پر ہی پڑ جاتا ہے۔
اس طرح کہ ظالم ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے حسد کی آگ، ناکامی کی شرمندگی میں جلتا مرتا رہتا ہے
اور دنیا کی کوئی راحت اس کو آرام نہیں پہنچا سکتی۔ کفار مکہ نے حضور نبی کریم کی دشمنی میں قرآن مجید،
اسلام اور اللہ تعالیٰ کی گستاخیوں میں ظلم، ایذا اور حسد ہر طرح سے معاندانہ مخالفانہ کام کئے
مگر ہر میدان میں ناکام ہوئے اس لئے دنیا میں ذلیل اور آخرت میں معذب ہوئے۔ (اشرف التفاسیر)

لغوی اشارے ✱ عدن: ایک جگہ ہمیشہ اقامت پذیر رہنا۔ اصطلاح میں اس کا اطلاق
جنت کے باغوں پر آتا ہے ✱ رہنا، بسنا، کسی جگہ مقیم ہونا، یہ مصدر ہے اور اس کا فعل باب
ضرب اور نصر سے آتا ہے۔ جَنّٰتِ عَدْنٍ کے معنی ہیں رہنے بسنے کے باغات یعنی وہ جنتیں
کہ جہاں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ واضح رہے کہ عدن کو بعض علماء عَلَم قرار دیتے ہیں اور بعض صفت
جو لوگ علم کہتے ہیں وہ اس کو جنت میں ایک خاص مقام کا نام بتاتے ہیں اور دلیل میں اس آیت
شریف کو پیش کرتے ہیں ۝ جَنّٰتِ عَدْنِ ﹰالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ... کیونکہ
یہاں معرفہ کو اس کی صفت لایا گیا ہے نیز بزار اور دار قطنی نے (المختلف والموتلف میں)
اور ابن مردویہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے فرمایا عدن حق تعالیٰ کا (بنایا ہوا) گھر ہے کہ جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی بشر کے دل
پر اس کا خیال آیا۔ اس میں انبیاء صدیقین اور شہداء ان تینوں کے علاوہ اور کوئی نہ رہے

پاس سے تھا اور حق تعالیٰ فرماتا تھا۔ "اے عدن جو تجھ میں داخل ہوا اس کے لئے خوشی ہے"

اور جو لوگ عدن کو علم نہیں بلکہ جنت کی صفت بتاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عدن کے معنی اصل میں استقرار اور ثبات کے ہیں محاورہ ہے عَدَنَ بالمکان یعنی اس نے اس جگہ قیام کیا اور عدن سے مراد اقامت علی وجہ الخلود ہے یعنی دائمی طور پر اپنا بسنا۔ اور عدن کے یہی معنی وہ فرد کامل ہیں جو مقام مدح کے مناسب ہیں یعنی جنات اقامۃ وخلود۔ اس معنی کے لحاظ سے تمام جنتیں "جنات عدن" ہیں (روح المعانی) امام قرطبی نے لکھا ہے کہ جنتیں سات ہیں ۱۔ دارالخلد ۲۔ دارالجلال ۳۔ دارالسلام ۴۔ جنت عدن ۵۔ جنت الماویٰ ۶۔ جنت نعیم ۷۔ فردوس (مظہری) (ل ق)

معلومات مزید ★ اور بہشت عمدہ ہے گھر پرہیزگاروں کا وہ باغ ہمیشہ رہنے کے ہیں کہ ان میں متقی داخل ہوں گے جن کے نیچے یعنی جنت عدن کے مختلف درجوں اور منازل کے تحت میں نہریں جاری ہیں اور متقیوں کے لئے جنات عدن میں وہ تمام آسائش و راحت کے سامان تیار ہیں اور وہ جب چاہیں جو چیز چاہیں ان کے لئے مہیا کردی جاتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور اس کی عطا اور بخشش ہے کہ وہ اپنے اطاعت گزار، نیک اور صالح بندوں کو دنیوی عزت واقبال کے ساتھ ساتھ اُخروی نعمتوں سے مالامال فرماتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پرہیزگاروں کے لئے جزاء خاص ہے ★ وہ پرہیزگار اور صالح بندے جب اپنی حیات ظاہری کا سفر پورا کرچکے ہوں گے اور فرشتے ان کو وفات دینے کے لئے آتے ہیں تو وہ متقی فضل الٰہی سے کفر و شرک، سرکشی و معصیت سے بری اور آلودگیوں سے مزکّٰی ہوں گے اس وقت یعنی بوقت موت انہیں فرشتے کہیں گے سلام ہو تم پر اور آخرت میں ان سے کہا جائے گا کہ داخل ہو جاؤ تم جنت میں اللہ کے فضل وکرم سے اپنے اعمال صالحہ اور ساری زندگی کی اطاعت حق تعالیٰ کے باعث یہ جزاء پاؤ ★ منکرین، سرکش، نافرمان اور کافر اس کے انتظار میں ہیں کہ فرشتے ان کے پاس آئیں ان کی روح قبض کرنے کو یا آپ کے رب کا حکم آجائے یعنی عذاب آجائے یا قیامت بپا ہو جائے ان سے پہلے والوں یعنی گزرے ہوئے نافرمان اور سرکشوں نے بھی ایسا کیا تھا یعنی اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں کو جھٹلایا اور کفر کیا جس کی سزا میں وہ عذاب میں مبتلا ہوئے اور ہلاک ہو گئے۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ انھوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا ★ اہل تحقیق (ات) کے نزدیک نقصان رسانی کی تین اقسام ہیں۔ ۱۔ صرف دوسرے کا نقصان چاہنا محض اپنی انا اور خودغرضی کی خاطر ۲۔ وہ کہ جس کی شرانگیزیوں سے نقصان پہنچے ۳۔ اپنے فائدے کے لئے دوسرے کا نقصان چاہنا یا کرنا۔ یہ علی الترتیب ظالم، موذی اور حاسد ہوتے ہیں۔

(س م ح ش)

فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝
وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ
نَّحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن
قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ
أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۖ فَمِنْهُم مَّنْ
هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ
فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝

پس ملی انھیں سزا ان کے برے اعمال کی اور گھیر لیا انھیں عذاب نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ✶ اور کہنے لگے وہ لوگ جنھوں نے شرک کیا، کہ اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو ہم عبادت نہ کرتے اس کے سوا کسی اور چیز کی نہ ہم نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم حرام کرتے اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو ایسی ہی (بے سروپا) باتیں کیا کرتے تھے ان کے پیش رو (اے سننے والے!) کیا رسولوں کے ذمہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہے کہ وہ صاف طور پر (حکم الٰہی) پہنچا دیں ✶ اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انھیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے سو ان میں سے کچھ وہ لوگ تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن پر گمراہی مسلط ہو گئی۔ بس سیر و سیاحت کرو زمین میں اور اپنی آنکھوں سے) دیکھو کس قدر عبرتناک تھا انجام (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا۔

(ض: ت ✶ ۱۶/۳۴ تا ۳۶) ←

۳۴۔ امم سابقہ کے کفار و اشرار، نافرمان مشرکوں نے انبیاء کرام کی شدید مخالفت اور پیغام حق و ہدایات آسمانی کی تکذیب کے جرائم کے مرتکب ہونے کا باعث سخت عذاب میں مبتلا ہوئے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خود اپنے اوپر آپ ظلم کرتے رہتے تھے "وہ اپنے کئے کا خمیازہ بھگتتے رہے" اسی سبب سے وہ عتاب الٰہی کے سزاوار ٹھہرے اور دردناک عذاب نے انھیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ رسولوں کے ساتھ مذاق کرنے اور عذاب الٰہی کی دھمکی پر ان کا تمسخر اڑانے کا خمیازہ انھیں ہر حال بھگتنا پڑے گا۔ قیامت کے دن انھیں کہا جائے گا۔ "یہی ہے وہ آگ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے" (ابن کثیر۔ ت۔ ج۔ ش)

● تو ان کی بری کمائیاں ان پر پڑیں" اور انھوں نے اپنے اعمال خبیثہ کی سزا پائی" اور انھیں گھیر لیا اس "عذاب" نے جس پر وہ ہنستے تھے۔ (کنز الایمان و حاشیہ)

۳۵۔ اور مشرک کہتے ہیں کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ ہم کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ اس کے حکم کے بغیر ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔ پھر بعثت پیغمبر اور احکام تکلیفیہ کا فائدہ ہی کیا ہے، یا یہ کلام سنجیدگی سے کہتے تھے اور مرضی و مشیت میں ان کے نزدیک کوئی فرق نہ تھا ہر کام چونکہ اللہ کی مشیت سے ہونا مسلمہ حقیقت ہے اس لئے وہ سمجھے کہ ہمارا اور ہمارے باپ دادا کا شرک کرنا اور حلال و حرام خود بنا لینا بھی اللہ کی مرضی ہے اور ہمارا یہ فعل اللہ کو ناپسند نہیں ہے۔ ان سے پہلے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ شرک کرنے اور حلال کو از خود حرام بنانے کی یہی علت بیان کی گئی۔ سو پیغمبروں کا فریضہ تو واضح طور پر اللہ کا پیام پہنچا دینا ہے اس کے سوا ان کا اور کوئی کام نہیں ہدایت کرنا تو اللہ کے قبضہ میں ہے اور اسی کی مشیت پر موقوف ہے۔ البتہ اللہ کی خوشنودی کا راستہ بتا دینا پیغمبروں کا فریضہ ہے اسی سے آگے آیات میں بیان فرمایا ہے کہ پیغمبر بھیجے ہیں اور بعثت انبیاء کو ذریعہ ہدایت اور سبب ضلالت قرار دیا ہے جس کو اللہ نے ہدایت یاب بنانا چاہا پیغمبر کی ہدایت اس کے لئے سبب ہدایت بن گئی اور جس کو اللہ نے گمراہ بنانا چاہا پیغمبر کی بعثت سے اس کی گمراہی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ پیغمبر کی بعثت تو اعلیٰ نفیس غذا کی طرح ہے تندرست مزاج والے کو نفیس غذا طاقت پہنچاتی ہے اور بگڑے ہوئے مزاج والے کے مزاج میں مزید بگاڑ کا سبب بن جاتی ہے (تفسیر مظہری ہ ت)

۳۶۔ ہم نے ہر گروہ میں بھیجا رسول خاص جیسے ہم نے آپ کو بھیجا۔ "ہم نے رسول کی زبان سے فرمایا کہ" اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو صرف وہی ایک معبود ہے اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ طاغوت سے شیطان اور ہر وہ شخص مراد ہے جو گمراہی کی دعوت دے (ف) اللہ تعالیٰ نے رسل کرام علیہم السلام بھیجے تاکہ اتمام حجت اور ان کی صداقت ختم ہو ورنہ اسے علم تھا کہ ان میں کون حق قبول کرے گا اور کون انکار کرے "گا" ▲ طاغوت بروزن فعلوت طغیان سے مشتق ہے جیسے جبروت جبر سے ملکوت ملک سے۔ یہ در اصل طغیوت تھا عین کو لام کی جگہ لا کر قلب مکانی کی گئی اس کی تاء تانیث کی نہیں ہے ▲ انبیاء علیہم السلام کو جس کام کے لئے بھیجا گیا انہوں نے اس کی تبلیغ فرمائی یعنی عبادت حق اور طاغوت سے اجتناب کا حکم سنا دیا تو لوگ مختلف ہو گئے بعض ان میں وہ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دی یعنی بعض کے اندر حق قبول کرنے کی توفیق نصیب ہوئی (انہوں نے) عبادت الٰہی بجا لائی اور طاغوت سے اجتناب کیا یہ اس وقت ہوا جبکہ انہوں نے کفر اختیار کیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر توفیق پیدا فرمائی۔ اور ان میں بعض وہ تھے جن پر گمراہی ثابت اور واجب ہو گئی اور مرتے دم تک اپنے عناد سے حق کو قبول نہیں کیا بلکہ اپنے عناد پر مصر رہے اور اپنی قدرت و اختیار کو قبول حق کے لئے استعمال نہ کیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان میں ہدایت پیدا نہ فرمائی اور نہ ہی ان کے قلب کو پاک کرنے کا

ارادہ فرمایا (: "اے معشر قریش!") تم سیر کرو۔ (حالانکہ خطاب عام ہے قریش کی قید کلام رخ قرآن کی طرف سے اس قرینہ پر لگائی گئی ہے) زمین پر یعنی زمین کے مختلف علاقوں میں چل پھر کر دیکھو کہ مکذبین کا انجام کیسا ہوا۔ مکذبین سے عاد و ثمود اور فرعون جیسے دیگر کفار مراد ہیں۔ (روح البیان۔ ت)

لغوی اشارے ✶ اَصَابَهُمْ : ان کو پہنچا، ان پر پڑا۔ اس میں هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب ● سَيِّئَات : برے کام، گناہ۔ سَيِّئَة کی جمع ● حَاقَ : اس نے گھیر لیا، وہ الٹ پڑا، وہ نازل ہوا (ضرب) حَيْق سے جس کے معنی گھیر لینے اور نازل ہونے کے ہیں۔ ماضی کا صیغہ، واحد مذکر غائب، بعض کا خیال ہے کہ یہ اصل میں حَقَّ تھا جو بدل کر حاق ہو گیا جیسے زَلَّ سے زَالَ اور ذَمَّ اور ذَامَ ہے ● بَلَاغ : پہنچا دینا، کافی ہونا، مصدر ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں معنی تبلیغ آیا ہے ● طَاغُوت : شیطان، حق سے روکنے والے، صنم، معبود باطل، سرکش، سخت طاغی، مفسد، ہر دنگا (ہر دنگا وہ جو ناحق سرداری کا دعویٰ کرے جو کچھ سند نہ رکھے، ایسے کو طاغوت کہتے ہیں۔ اصنام اور شیطان اور زبردست ظالم سب یہی ہیں۔ موضح القرآن) طاغوت سے کیا مراد ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ نے مفسرین سے اس بارے میں پانچ اقوال نقل کئے ہیں۔ ۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، مجاہد اور قتادہ نے شیطان کے معنی بیان کئے ہیں۔ ۲۔ سعید بن جبیر نے کاہن کہا ہے۔ ۳۔ ابوالعالیہ نے ساحر بتایا ہے۔ ۴۔ بعض مفسرین اصنام بیان کرتے ہیں اور پانچواں قول یہ ہے کہ اس سے سرکش جن اور انسان نیز ہر وہ شخص جو حد سے گزر جائے مراد ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ تحقیق اس باب میں یہ ہے کہ چونکہ سب اشیاء سے اتصال کے وقت طغیان کا حصول ہوا اس لئے یہ سب چیزیں اسباب طغیان قرار دے دی گئیں (تفسیر کبیر) حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں جو اقوال بھی بیان کئے گئے ہیں وہ تعیین کے لئے نہیں بلکہ تمثیل کے طور پر ہیں۔ طاغوت اپنے عموم کے اعتبار سے ہر معصیت میں "حد سے" گزر جانے والے و نیز ہر اس معبود کے لئے جس کی حق تعالیٰ کے سوا پرستش کی جائے استعمال ہوتا ہے اور اسی اعتبار سے ساحر، کاہن، سرکش جن اور خیر کے راستے سے روکنے والے کو طاغوت سے موسوم کیا جاتا ہے (خلاصہ) (ل ق)

مفہومات مزید ✶ نافرمان، ظالم، منکر، مشرک اور سرکشوں کو ان کے اعمال بد کے نتائج کا سامنا کرنا ہی پڑا وہ ناعاقبت اندیش جس عذاب الٰہی کا مذاق اڑاتے تھے وہی ان پر نازل ہوا ▲ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بندوں کی ہدایت کے لئے یعنی ان کے افکار و عقائد کی درستگی اور معبود حقیقی کی عبادت و نیز ان کے اعمال و معاملات کی بہتری کے لئے ہر قوم و ملت میں پیغمبروں کو مبعوث کیا اور ان کو یہ ذمہ داری عطا فرمائی کہ وہ احکام الٰہی نہایت صاف اور واضح زبان میں پہنچا دیں تاکہ متعلقہ قوم اچھی طرح سمجھ جائے ▲ خالق کائنات کی طرف سے ہر قوم میں ہادی و پیغمبر آئے جن کا منصب لوگوں کو معبود حقیقی اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم پہنچانا اور طاغوت کے راستے سے روکنا بچانا تھا۔ زمین میں چلو پھرو کا مطلب یہ ہے کہ سرکش قوموں "جھٹلانے والوں" کے برے انجام کو دیکھنے کے لئے ان کی برباد بستیوں اور کھنڈروں کا مشاہدہ کرو جو باعث عبرت و نصیحت ہے (س م ح ش)

إِن تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَن يُضِلُّ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ○
وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ بَلَىٰ وَعْدًا
عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ
فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ○

اگر تم ان کی ہدایت کی حرص کرو تو بے شک اللہ ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کرے اور ان کا کوئی مددگار نہیں * اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنے حلف میں حد کی کوشش سے کہ اللہ مردے نہ اٹھائے گا ہاں کیوں نہیں سچا وعدہ اس کے ذمہ پر لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے * اس لئے کہ انہیں صاف بتا دے جس بات میں جھگڑتے تھے اور اس لئے کہ کافر جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔ (۱۶/۳۷ تا ۳۹ * ت: ک)

۳۷۔ قانون ازلی ہے کہ ہدایت کا حصول ہوتی نہ جبر سے دیا جاتا ہے نہ قہر سے نہ کسی کی مرضی دل سے اور ایسی جبری و قہری ہدایت کا فائدہ بھی کوئی نہیں۔ ہدایت تو منزل شوق کا راستہ ہے بغیر چاہت اور طلب کے نہیں دی جا سکتی۔ اے نبی (مکرم)! آپ تو سراپا رحمت ہو ہر شخص کی فلاح و ہدایت پر قلبی حرص و خواہش رکھتے ہو۔ لیکن یہ کفار مکہ اور سرداران قریش اتنے سخت بدتہذیب اور آپ کے گستاخ، بے ادب، بے نصیب، ضدی اور ہٹ دھرم ہیں کہ اگرچہ ہم کو تسلیم کرتے ہیں لیکن (آپ کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرتے ہیں اور نازل ہونے والی) وحی کو اساطیر کہہ کر مذاق کرتے ہیں لوگوں کو دین سے روکتے ہیں اپنے (باطل) عقیدوں کو اچھا اور اسلام کو برا کہتے ہیں۔ ان بدبختوں کی ہدایت پر اگرچہ آپ حرص کریں تو بھی بے شک اللہ تعالیٰ اپنے قدیمی قانون کے مطابق اس کو کبھی ہدایت نہیں دے گا جس کو گمراہی میں بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے اور ایسے لوگوں کے لئے دنیا و آخرت میں کوئی مددگار نہیں۔ نہ دنیا میں توفیق خیر دے کر گمراہی سے کوئی بچا سکے نہ آخرت میں اللہ کے عذاب سے کوئی چھڑا سکے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو پھر کسی کی مجال نہیں جو اس کو بچا لے۔ اس فیصلہ کے بعد تو کسی کی حرص، خواہش، دعا اور التجا کوئی بھی کارگر نہیں اور ایسے شخص کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ کسی وقت بھی کسی کا سمجھانا اس کو درست یا نرم نہیں کرتا۔ کسی کی نصیحت یا سچی اچھی بات اس پر اثر نہیں کرتی (ارشد التفاسیر)

۳۸۔ اور بڑی شدومد سے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ (دوبارہ) زندہ نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ جو (ایک بار) مر جاتا ہے۔ ہاں ضرور زندہ کرے گا یہ اس کا وعدہ ہے اس پر لازم ہے اس کو پورا کرنا۔

لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے ▲ یہ "وقال الذین اشرکوا" پر معطوف ہے نیز اس میں یہ تنبیہ ہے کہ وہ جس طرح توحید کے منکر تھے بعینہ وہ قیامت کا انکار بھی قسمیں اٹھا کر کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے بلیغ طریقہ پر ان کا رد فرمایا ▲ ہاں وہ انھیں دوبارہ زندہ کرے گا وعداً مصدر مؤکد لنفسہ ہے۔ بلیٰ اسی پر دلالت کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ انھیں اٹھائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے اور اس وعدہ کا پورا کرنا اس پر لازم ہے کیوں کہ وعدہ کا خلف ممتنع ہے اور دوسری وجہ یہ بھی کہ اس کی حکمت بھی دوبارہ زندہ کرنے کا تقاضہ کرتی ہے ▲ یہ وعدہ کی دوسری صفت ہے ▲ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے۔ یا یہ معنی کہ وہ نہیں جانتے دوبارہ اٹھنے کو کیوں کہ وہ نہیں جانتے کہ یہ اس کی حکمت کا تقاضہ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی نظر مالوف اور مانوس چیز تک مقصور ہوتی ہے اس لئے وہ اس کے امتناع کا خیال وعقیدہ رکھتے ہیں۔ (مظہری۔ ت ص م)

۳۹۔ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ (اس لئے کہ انھیں صاف بتا دے جس بات میں جھگڑتے تھے۔ ک) جو شئے اس سے قبل مبہم ہو اسے ظاہر کرنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر ایک کو مرنے کے بعد اٹھائے گا مومن ہو یا کافر، تاکہ اس کی شان ظاہر ہو ان پر جو الَّذِي يَخْتَلِفُونَ اہل ایمان کے ساتھ اختلاف کرتے فِيهِ اس کے متعلق جو بعث وجزا کے اثبات میں یعنی حق دیا گیا۔ اسی طرح شرع مبین کے دوسرے مسائل جن میں انھوں نے اہل اسلام کے ساتھ اختلاف کیا وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا تاکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں اور مشرکین اور منکرین بعث ونشر اور مکذبین وعدہ حق کو علم ہو۔ قبور سے اٹھتے ہی ان کو معلوم ہو جائے گا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ اس قول لا يبعث الله من يموت کے مطابق وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ (ف) اس میں اشارہ ہے کہ قیامت میں بعث ونشر کی ایک حکمت یہ ہے کہ حق و باطل اور اہل حق و باطل کے درمیان امتیاز ہو جب کہ اہل حق کو جزا اور اہل باطل کو سزا دی جائے گی (روح البیان ت)

لغوی اشارے ✱ تحرص: تو حرص کرے، تو للچاوے، تو کوشش کرے (ضرب) حرصٌ سے جس کے معنی طمع اور خواہش کی زیادتی کے ہیں۔ مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر۔ اصل میں یہ دھوبی دھوتے وقت جو کپڑا کوٹ کر پھاڑ ڈالتا ہے اس کو حَرص (بالفتح) کہتے ہیں یہ دھونے میں زیادتی ہوتی حِرص (بالکسر) اسی سے ماخوذ ہے جو لالچ اور ارادہ کی زیادتی کے لئے مستعمل ہے ▲ يُضِلُّ واحد مذکر غائب مضارع منصوب۔ اِضلالٌ مصدر (افعال) مثبت کہ گمراہ کر دے کہ بہکا دے نفی مؤکد مستقبل ہرگز ہدایت نہ کرے گا۔ ہرگز راستہ نہیں دکھائے گا ▲ أَقْسَمُوا: انھوں نے قسمیں کھائیں۔ اِقسامٌ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ✱ اُقسِمُ۔ میں قسم کھاتا ہوں اِقسامٌ سے جس کے معنی قسم کھانے کے ہیں۔ مضارع کا صیغہ واحد متکلم۔ یہ دراصل قَسَامَةٌ سے ماخوذ ہے قسامت وہ قسمیں ہیں جو اولیاء مقتول پر تقسیم کی جاتی ہیں ✱ قسم کی حقیقت اور تاریخ کا ایک اجمال یہ ہے۔

اصل میں قسم کا استعمال ابتداءً اس طرح شروع ہوا کہ جب کوئی اہم واقعہ بیان کیا جاتا تو اس کی صحت اور تصدیق کے لئے کسی شخص کی گواہی پیش کی جاتی ہے یہی طریقہ جب بڑھنے لگا تو انسان کے علاوہ حیوانات اور جمادات کی شہادت بھی معرض ثبوت میں آنے لگی مثلاً ہم خود اپنی زبان میں کہتے ہیں " در و دیوار اس بات پر شاہد ہیں " آسمان زمین اس امر پر گواہ ہیں اس نے خفیہ میں جس جانبازی کے جوہر دکھائے سوائے خنجر اس بات کا گواہی دے سکتا ہے وغیرہ ہر ایک زبان میں اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں اس قسم کی شہادتوں کے پیش کرنے سے اصلی غرض یہ ہوتی ہے کہ یہ چیزیں بزبانِ حال سے اس کی شاہد ہیں یعنی اگرچہ وہ بولنے کی سکت نہیں رکھتی تو ضرور کہہ اٹھتیں کہ ہاں یہ واقعہ صحیح ہے یہی طریقہ آگے چل کر قسم کے معنوں میں مستعمل ہونے لگا چنانچہ قرآن مجید میں شہادت کا لفظ قسم کے معنی میں استعمال ہوا ہے سورہ منافقون میں ارشاد ہے

﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۞ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً ﴾

جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بے شک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں * اور انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال ٹھہرا لیا ہے (۶۳/ ۱ تا ۲) آیت مذکورہ میں منافقین کے الفاظ میں قسم کا کوئی لفظ نہیں صرف شہادت کا لفظ استعمال ہوا ہے قرآن مجید نے اسی شہادت کو قسم قرار دیا ہے اسی کا اثر ہے کہ آج بھی ہم اپنی زبان میں قسم کھاتے ہیں تو کہتے ہیں " اللہ جانتا ہے " خدا گواہ ہے ، خدا شاہد ہے عربی زبان نے جب وسعت اختیار کی تو بعض حروف قسم کے ساتھ مخصوص ہو گئے جیسے واو ، ب ، ت واللہ ، باللہ ، تاللہ کبھی صاف لفظ قسم ہوتا ہے اور کبھی لا کے ساتھ آتا ہے " لَآ اُقْسِمُ " اور کبھی جملہ پر لام لا کر قسم کھائی جاتی ہے جیسے لَعَمْرُكَ اور قسم کا استعمال دو معنی میں ہوتا ہے ایک یہ کہ جب کوئی چیز بیان کی جائے تو اس کے ثبوت میں کوئی شہادت پیش کی جائے خواہ وہ شہادت ذی روح کی ہو یا غیر ذی روح کی بزبانِ حال ہو یا بزبانِ قال دوسرے یہ کہ کسی چیز کی توثیق و اثبات کے لئے کسی عظیم الشان شے یا کسی عزیز چیز کی قسم کھائی جائے ۔ یہ دوسرے معنی قسم کے حقیقی معنی نہیں بلکہ مجازی ہیں جو بعد میں چل کر پیدا ہو گئے * قرآن مجید میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کے لئے قسم کا لفظ آیا ہے پہلے معنی کے لحاظ سے آیا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت کثرت سے شمس قمر لیل و نہار ابر و باد کوہ و صحرا چرند پرند دریا سمندر غرض جا بجا تمام مظاہر قدرت کی نسبت آیت کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی نشانی کے ہیں جن چیزوں کو اکثر مواقع پر آیات کے لفظ سے تعبیر کیا ہے انہی کی جا بجا قسم ارشاد فرمائی ہے جس کا صاف معنی یہ ہیں کہ یہ تمام چیزیں اس کے وجود اور عظمت و شان پر شہادت دے رہی ہیں اور اس کی قدرت پر گواہ ہیں ۔ (لغات القرآن)

معلومات مزید * آپ چاہے جتنی خواہش کریں ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی مگر اللہ تعالیٰ جن پر راہ گم کر دیتا ہے یعنی ہدایت کی راہ سے دور رکھتا ہے اور نہ ان کا کوئی مددگار رہتا ہے ● یہ لوگ اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اللہ مر دے کو زندہ نہیں کرے گا ۔ (کیوں نہیں ضرور اٹھائے گا) اس نے اپنے اوپر وعدہ کر لیا ہے ۔

[illegible] ● [illegible] (ص ۴۵۸)

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَن نَّقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ وَالَّذِينَ
هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ
الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝

ہم جب کسی چیز (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کر لیتے ہیں تو بس اس سے ہمارا اتنا ہی کہنا ہوتا ہے کہ ہو جا بس وہ ہو جاتی ہے ★ اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے ہجرت کی بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا تھا ہم ان کو دنیا میں (بھی) اچھا ٹھکانا دیں گے اور اجر آخرت تو (کہیں) بڑھ کر ہے کاش انہیں خبر ہوتی ★ (یہ وہ لوگ ہیں) جو صبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں
(۱۶/۴۰ تا ۴۲ ★ ش : ۴)

۴۰۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا ذکر فرماتا ہے۔ وہ جو چاہے اس پر پوری طرح قادر ہے، زمین و آسمان میں کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی، جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرمالیتا ہے تو صرف "کُن" کہتا ہے، وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے۔ قیام قیامت اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا بھی اس کے تحت داخل ہے، بس اس کے "کُن" کہنے کی دیر ہے، قیامت برپا ہو جائے گی جیسا کہ فرمایا۔ "اور ہمارا حکم یکبارگی ایسا ہو جاتا ہے جیسے آنکھوں کا جھپکانا" (۵۴/۵۰) کسی چیز کو پیدا کرنے اور معدوم کرنے اور دوبارہ موجود کرنا کا حکم "وما امرنا الا واحدة" بغیر دشواری کے یکدم ایک عمل ہے خواہ موجود کرنا ہو یا معدوم کرنا۔ یہ مطلب ہے کہ ہمارا حکم بس ایک کلمہ ہے پیدا کرنے کے لئے لفظ کن (ہو جا) اور معدوم کرنے کے لئے ایک کمزور آواز۔ تیزی اور جلدی کے اعتبار سے پس پلک جھپکنے کی طرح ہے) اللہ تعالیٰ کو اپنے حکم میں تاکید کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ نہ اس کی مخالفت کی جا سکتی ہے اور نہ اسے مغلوب کیا جا سکتا ہے۔ وہ واحد، قہار اور عظیم ہے، اس کا اقتدار، جبروت اور عزت ہر چیز پر غالب اور حاوی ہے۔ نہ اس کے سوا کوئی معبود ہے
(ابن کثیر: ش: کرشن)
نہ رب

۴۱۔ اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور رضا کو مدنظر رکھ کر اس ارادہ سے ہجرت کی کہ اس کی اطاعت اسی میں ہے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا یعنی جن صحابہ کرامؓ پر اہل مکہ نے ظلم کیا، اور انہیں مکہ معظمہ سے نکلنے پر مجبور کیا تو پہلے حبشہ کو پھر مدینہ طیبہ کو ہجرت کر گئے اور انہیں دو ہجرتیں نصیب ہوئیں۔ اس سے مطلقاً اہل ہجرت مراد ہیں کیونکہ یہ سورۃ مکیہ ہے۔ (مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ مسلمانوں پر اہل مکہ مسلسل ظلم کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی زمین میں متفرق ہو کر پھیل جاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہیں ایک جگہ پر جمع فرمائے گا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ ہم کہاں چلے جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ حبشہ کو چلے جاؤ کیونکہ وہاں کا بادشاہ بہت اچھا آدمی ہے

اس کی سلطنت میں کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا اور یہ زمین صدق و سلامتی سے ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں ان تکالیف اور مشقتوں سے بچا کر فرحت و سرور بخشنا تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سن کر جتنے تنہا تھے افراد ہجرت کرتے بعض جو بیشتر نے فرمایا وہ اسی سے کچھ اور بھی تھے۔ کفار مکہ کے ظلم و ستم سے دور اللہ کی پناہ میں چلے گئے تھے سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی سیدہ رقیہ بنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ہجرت کی اسی طرح بعض مع اہل و عیال تھے بعض اکیلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص دین کو بچانے کی نیت سے ہجرت کرے اگرچہ ایک بالشت بھر تو اس کے لئے جنت واجب ہوتی۔ اور قیامت میں اسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور (حضور انور) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رفاقت نصیب ہوگی۔) "لَنُبَوِّئَنَّهُمْ" البتہ ہم انہیں بہتر مقام سے سرفراز فرمائیں گے "فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً" دنیا میں بہتر منازل سے۔ مفسرین نے فرمایا: اس سے مدینہ منورہ مراد ہے چنانچہ جس میں اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کو مدینہ منورہ کی سکونت کا شرف بخشا اور انہیں فتح و نصرت سے نوازا۔" اور وہ جو اجر ان کے لئے آخرت میں تیار کیا گیا ہے وہ ان کا ہجرت سے بہت بڑا ہے کیوں کہ ہجرت کے فوائد انہیں دنیا میں نصیب ہوئے اور دنیا سے آخرت کے فوائد کئی زیادہ اور عمدہ ہیں۔ (ف) یہاں وقف لازم ہے اس لئے کہ "لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ" کا جواب محذوف ہے اور یہ ضمیر کافروں کی طرف راجع ہے اب معنی یہ ہوگا کہ اگر ان کافروں کو معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو دنیا و آخرت کی بہت بڑی نعمتوں سے سرفراز فرماتا تھا تو وہ ان کی موافقت میں دینِ اسلام کو قبول کرتے اور ضمیر جمع کو مومنین کی طرف لوٹانا بھی جائز ہے اب معنی یہ ہوتا کہ اگر اہلِ ایمان مہاجرین کو معلوم ہوتا کہ مشاہدہ رب انہیں کتنا سرور و راحت ہے تو جو ہوہ اور صبر عم التکالیف میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور چاہتے کہ وہ زندہ در گور ہو جائیں کیونکہ سنی سنائی خبر آنکھوں دیکھے حال کا کیا مقابلہ کر سکتی ہے (روح البیان۔ ت)

۴۲۔ دارِ آخرت میں جو سب سے بڑا اجر ہے وہ کیا ہے۔ وہ سرورِ جاودانی اور حیاتِ ابدی کی بادشاہت ہے ان دونوں صفتوں کے مقابلہ میں دوام انعام کا وعدہ ہے کیونکہ ان دونوں صفتوں کی عام طور پر تشریح فرمایا ہے "الَّذِينَ صَبَرُوا" یعنی مخالفین کی ایذائیں سہنا اور حق پر ثابت قدم رہنا۔ "وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ" یعنی اللہ پر توکل کرنا جو دینے والے سے بہتر ہو کی امید پر ہجرت کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔ صبر کو ظلموا سے متعلق ہے اور توکل ہاجروا سے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ کچھ کفار کے ستم اٹھا کر ہجرت کرنے میں ہی یہ وعدہ الٰہی منحصر نہیں بلکہ صبر و توکل پر جہاں کہیں ہو اور کسی بات میں ہو خواہ تمناؤں کے ترک کرنے پر اور نفس ظلم کے صدمات اٹھا کر اس کو اس کی بری خواہشوں سے روکنے پر یا دینِ الٰہی میں کوئی محنت و مشقت کا کام اختیار کرنے پر اسلام کی ترویج و اشاعت پر خواہ کفر در منہم پر ہی چھوڑ کر اللہ کی طرف آنے میں" گویا یہ آیت جس طرح اس کی راہ میں صبر و توکل

کرنے والوں کے لئے انعام الٰہی کا بیان ہے۔ اسی طرح اس بات کا بھی اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ کرنا کوئی ہنسی کھیل نہیں۔ اس راستہ میں بڑا مستحکم ہو کر مصائب پر صبر کرنا چاہئے (تفسیر عثمانی)

لغوی ارشادات ✶ كُنَّ : جمع مونث غائب ماضی معروف (دیکھو کان) اگر جب (شرط کی وجہ سے ماضی نہیں رہا حال یا مستقبل کا ترجمہ ہو گیا)۔ كُنَّ : ضمیر جمع مونث حاضر منصوب و مجرور۔ كِ واحد مونث حاضر قرآن مجید میں نصبی حالت میں استعمال نہیں ہوا۔ صرف مجرور ہونے کی حالت میں استعمال کیا گیا ▲ هَاجَرُوا : جمع مذکر غائب ماضی معروف مُهَاجَرَةٌ مصدر (مفاعلة) اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وطن چھوڑا۔ انہوں نے دارالکفر سے ہجرت کی ▲ حَسَنَةٌ : خوبی، بھلائی، نیکی، نعمت، ہر وہ نعمت جو انسان کو اس کی جان یا بدن یا حالات میں حاصل ہو کر اس کے لئے مسرت کا سبب بنے "حسنہ" کہلاتی ہے۔ "سیئہ" اس کی ضد ہے۔ یہ دونوں اسم جنس ہیں جن کے تحت مختلف انواع داخل ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ "۞ وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ۔ اور اگر پہنچے انہیں کوئی بھلائی تو کہتے ہیں یہ تو اللہ کی طرف سے ہے (۴/۷۸) یہاں حسنہ سے مراد فضل کی عمدگی اور فراخی اور کامیابی ہے۔ اور ۞ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ۔ اگر پہنچتی ہے ان کو کوئی تکلیف (۴/۷۸) میں "سیئہ" سے قحط، تنگی، ناکامی مراد ہے۔ اسی طرح ۞ مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ جو پہنچے آپ کو بھلائی سو وہ اللہ کی طرف سے ہے (۴/۷۹) میں "حسنہ" سے ثواب اور ۞ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ۔ اور جو پہنچے آپ کو تکلیف سو وہ آپ کی طرف سے ہے (۴/۷۹)۔ حَسَنٌ، حَسَنَةٌ اور حُسْنَىٰ میں فرق یہ ہے کہ حَسَنٌ اعیان (ذوات و اشخاص) اور احداث (معاملات و واقعات) دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح "حسنہ" جبکہ صفت ہو کر مستعمل ہو تو دونوں کے لئے بولا جاتا ہے اور اسم ہو کر مستعمل ہو تو صرف احداث میں ہی اس کا استعمال متعارف ہے اور "حسنیٰ" کا استعمال صرف احداث میں ہوتا ہے اعیان میں نہیں ہوتا (لغات القرآن)

معلومات مزید ✶ آیت ۴۲ میں صبر و توکل سے متعلق ذکر ہوا ہے۔ مسلم شریف میں حضرت صہیب سے مروی ہے ارشاد حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملتا ہے کہ "مومن کا بھی عجیب حال ہے کہ اس کی ساری شان اس کے حق میں نیک ہی نیک ہے اور یہ شان مومن کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں (اس کا حال یہ ہے کہ) اگر خوش حالی پہنچتی ہے تو شکر کرتا ہے اور یہ شکر اس کے لئے بہتر ہوتا ہے اور اگر بدحالی پیش آتی ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ صبر اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے ▲ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے ستر ہزار آدمی بے حساب جنت میں جائیں گے (اور) یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں نہ تو جنتر منتر کراتے تھے نہ شگون بد لیتے تھے بلکہ ہر حال میں اللہ پر توکل (بھروسہ) کرتے تھے۔ (صحیحین)

(سلام ۲ ش)